امام بربہاری رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور عالم کتاب" شرح السنۃ" کے خلاصہ پر ایک نفیس شرح

منہجِ سلفِ صالحین

تالیف

امام ابو محمد حسن بن علی بربہاری رحمہ اللہ

(وفات: ۳۲۹ھ)

شرح: شیخ عبداللہ بن صالح العبیلان

ترجمہ: حافظ حامد محمود الخضری

تصحیح وتقدیم: عنایت اللہ حفیظ اللہ سنابلی مدنی

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی

امام بربہاری رحمہ اللہ کی مشہور عالم کتاب "شرح السنۃ" کے خلاصہ پر

ایک نفیس شرح

تالیف

امام ابو محمد حسن بن علی بربہاری رحمہ اللہ

اردو ترجمہ

حافظ حامد محمود الخضری حفظہ اللہ

تصحیح وتقدیم

ابو عبد اللہ عنایت اللہ بن حفیظ اللہ سنابلی مدنی

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی

نام کتاب	:	منہج سلف صالحین
تالیف	:	امام ابومحمد حسن بن علی بربہاری رحمہ اللہ
شرح	:	فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن صالح العبیلان حفظہ اللہ
ترجمہ	:	حافظ حامد محمود الخضری حفظہ اللہ
تصحیح وتقدیم	:	ابوعبداللہ عنایت اللہ بن حفیظ اللہ سنابلی مدنی
سنہ اشاعت	:	شعبان 1438ھ مطابق مئی 2017ء
تعداد	:	دو ہزار
ایڈیشن	:	اول
صفحات	:	184
قیمت	:	
ناشر	:	شعبۂ نشرواشاعت، صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی

ملنے کے پتے:

- دفتر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی: 14-15، چوناوالا کمپاؤنڈ، مقابل کرلا بس ڈپو، ایل بی ایس مارگ، کرلا (ویسٹ) ممبئی-400070۔ ٹیلیفون: 022-26520077
- جمعیت اہل حدیث ٹرسٹ، بھیونڈی: 226526 / 225071
- مرکز الدعوۃ الاسلامیۃ والخیریۃ، بیت السلام کمپلیکس، نزد المدینۃ انگلش اسکول، مہاڈ ناکہ، کھیڈ، ضلع: رتناگری-415709، فون: 02356-264455
- شعبۂ دعوت وتبلیغ، جماعۃ المسلمین، مہسلہ، ضلع رائے گڈھ، مہاراشٹرا۔

فہرست مضامین

عرض ناشر

سنت رسول ﷺ عقیدہ ومنہج اور عمل وسلوک کے تمام تر گوشوں سمیت پورے دین اسلام کی ایک جامع کامل شامل تعبیر ہے، جس سے وابستگی بلکہ سپردگی دنیا وآخرت میں نجات کا ضامن اور اس سے اعراض وسرتابی ضلالت وہلاکت کا پیش خیمہ ہے، چنانچہ امام دار الہجرہ مالک بن انس رحمہ اللہ نے فرمایا تھا:

''السُّنَّةُ سَفِينَةُ نُوحٍ مَنْ رَكِبَهَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا غَرِقَ''(ذم الکلام وأھلہ (872/80/5)۔

سنت رسول ﷺ کشتئ نوح ہے، جو اس میں سوار ہوا نجات پا گیا اور جو پیچھے رہ گیا غرقاب ہو گیا۔

یہی وجہ ہے کہ علماء سلف نے السنۃ، أصول السنۃ اور شرح السنۃ وغیرہ ناموں سے متعدد کتابیں لکھی ہیں، اور ان میں عقیدہ وعمل کی حیثیت سے سنت کی اصالت واہمیت کو آشکارا کیا ہے، اور اس کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے والے امور مثلاً بدعت وخواہشات، ہوا پرستی، علم کلام، عقلانیت، تقلید وتعصب، جمود وتعطل اور تصوف ورھبنت وغیرہ کی قلعی کھولی ہے اور ان کے باطل ہتھکنڈوں کو بے نقاب کیا ہے۔

زیر نظر کتاب ''منہج سلف صالحین'' اپنے دور کے امام اہل سنت، مرد مجاہد، حق گو امام ابو حسن بن علی البربہاری رحمہ اللہ متوفیٰ (۳۲۹ھ) کی مایہ تالیف ''شرح السنۃ'' کے خلاصہ پر فضیلۃ الشیخ عبد اللہ بن صالح عبیلان حفظہ اللہ کی نفیس تعلیق وشرح کا اردو ترجمہ ہے جسے حافظ حامد محمود خضری صاحب نے انجام دیا ہے۔ چونکہ امام بربہاری رحمہ اللہ سنت اور اہل سنت پر شبخون مارنے والے بدعتیوں اور ہوا پرستوں کے خلاف اصولی اور کھرا موقف رکھتے تھے بنابریں یہ رسالہ منہج سلف اور اہل بدعت کے خلاف ان کے موقف کا عکس جمیل ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

''مثل أصحاب البدع مثل العقارب. يدفنون رؤوسهم وأبدانهم في التراب ويخرجون أذنابهم. فإذا تمكنوا لدغوا. وكذلك أهل البدع هم

مختفون بين الناس. فَإِذَا تمكنوا بلغوا ما يريدون" (طبقات الحنابلہ 2/44)۔

بدعتیوں کی مثال بچھوؤں جیسی ہے،جو اپنے سر اور جسم مٹی میں چھپائے رہتے ہیں،صرف دُم باہر رکھتے ہیں،اور موقع پاتے ہی ڈنک مار دیتے ہیں،اسی طرح اہل بدعت بھی لوگوں کے درمیان چھپے رہتے ہیں اور جیسے ہی موقع پاتے ہیں اپنا کام انجام دیتے ہیں۔

رسالہ اور اس کے مولف امام بربہاری رحمہ اللہ کی مایہ ناز مسلم منہجی شخصیت کی اہمیت اور موجودہ دور میں عقیدہ و منہج سلف سے انحراف اور نت نئے فتنوں کی مسموم فضاؤں میں اُس کی ناگزیر ضرورت کے پیش نظر امیر محترم صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی فضیلۃ الشیخ عبد السلام سلفی حفظہ اللہ نے شعبۂ نشر واشاعت سے ہنگامی طور پر اس عظیم رسالہ کی طباعت واشاعت کا فیصلہ فرمایا،اور اس کی کتابت، تصحیح ونظر ثانی اور طباعت واشاعت کے تمام مراحل میں اس کی مکمل نگرانی فرمائی،بلاشبہہ یہ اُن کی منہجی غیرت، مسلکی حمیت، ملی وجماعتی بصیرت اور نشر سنت کے جذبۂ خالص کا آئینہ دار ہے،دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ امیر محترم کی مخلصانہ کوششوں کو قبول فرمائے،اور انہیں اس کا نیک صلہ عطا فرمائے،آمین۔

واضح رہے کہ رسالہ کا ترجمہ مطبوع اور اردو حلقوں میں متداول تھا،صوبائی جمعیت سے اشاعت کے فیصلہ کی مناسبت سے اس پر نظر ثانی کی گئی اور شارح حفظہ اللہ کے اصل نسخہ "النبذ علی شرح السنة للبربہاری" سے مقارنہ کیا گیا تو ترجمہ میں کافی کچھ غلطیاں نظر آئیں،الحمدللہ اس ایڈیشن میں ان اغلاط کی ضروری تصحیح وتعدیل کردی گئی ہے،فللّٰہ الحمد والمنہ۔

مولائے کریم سے دعا گو ہوں کہ اس رسالہ کے مولف،شارح،مترجم،مقرظ،مصحح،ناشر اور دیگر تمام معاونین کی کوششوں کو شرف قبولیت عطا فرمائے،اسے ملت وجماعت کے لئے مفید بنائے اور ہر خاص وعام کو اس سے یکساں استفادہ کی توفیق ارزانی عطا کرے،نیز صوبائی جمعیت ممبئی کو اپنے مشن میں کامیابی کی توفیق بخشے،آمین۔

ممبئی۔ یکم جون ۲۰۱۷ء

عنایت اللہ بن حفیظ اللہ سنابلی مدنی
(شعبۂ نشر واشاعت صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی)
(inayatullahmadani@yahoo.com)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

الحمدلله رب العالمين والصلوٰة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين

أما بعد!

زیر نظر کتاب ''منہج سلف صالحین'' درحقیقت چوتھی صدی ہجری کے عظیم امام اور محدث ابو محمد البربہاری کی کتاب (شرح السنہ) کا خلاصہ اور پھر اس خلاصے پر دورِ حاضر کے ایک نہایت جید سلفی عالم فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن صالح العبیلان کی انتہائی نفیس شرح کا اُردو ترجمہ ہے۔ یہ مبارک عمل، ہمارے فاضل دوست شیخ حافظ حامد محمود حفظہ اللہ کی جہد جمیل ہے، فجزاه الله عنا وعن المسلمين خير الجزاء، وأسعده في الدارين، و وفقه لمزيد مافيه حبه ورضاه.

کتاب کا موضوع انتہائی اہم اور حساس ہے، جو کہ کتاب کے نام سے واضح ہے۔ اس پرفتن دور میں اللہ تعالیٰ جس شخص کو عقیدہ و عمل میں منہج سلف صالحین جو اللہ کی وحی سے مستفاد و ماخوذ ہے، کے فہم کی توفیق عطا فرما دے' تو یقیناً اس کے لئے ایک عظیم سعادت و بصیرت ہے، جو اُخروی کامیابی کے لیے مطلوب و مقصود ہے۔

زیر نظر کتاب کی اہمیت یہ ہے کہ یہ علماء سلف میں سے ایک متبحر عالم، حافظ اور محدث امام بربہاری کی تالیف ہے۔ بیانِ عقیدہ میں ان کا اسلوب انتہائی منفرد ہے، بلکہ اسلوبِ سلف کا آئینہ دار ہے۔

علماء سلف کی مؤلفات اختصار اور جامعیت کا حسین امتزاج ہوتی ہیں، ان کے کلام کے ایک ایک لفظ سے علم کے ساتھ ساتھ خشیت و اخلاص بھی ٹپکتا ہے۔

عقیدہ سلف وضوح و ظہور میں ایک منارۂ نور ہے:

(قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ) (المائدة:١٥)

''تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور کھلی کتاب آچکی ہے''۔

عقلِ سلیم وفطرتِ سلیمہ کے عین مطابق، اور کیوں نہ ہو کہ یہ اس ذات کی وحی مبارک (قرآن وحدیث) سے ماخوذ ہے جس کا علم ہر شئے کو محیط ہے، اور جس کا کلام ہر قسم کے تناقض وتعارض سے پاک ہے۔

افسوس ہے ان لوگوں پر جو اس خالص، صافی اور واضح عقیدہ سے انحراف اختیار کیے ہوئے ہیں، اور اس کے بجائے متکلمین وفلاسفہ کے طریقہ کو جو بہت سے ظلمات وتناقضات کا مرقع ہے، اپنائے ہوئے ہیں۔ حالانکہ اس فاسد منہج سے بہت سے علماء تائب ہو چکے ہیں۔

امام غزالی نے زندگی کا ایک طویل دور متکلمین کے منہج پر قائم رہتے ہوئے گزارا، آخر میں ایسی توبہ کی کہ موت کے وقت ان کے سینے پر ''صحیح بخاری'' رکھی ہوئی تھی۔

امام فخر الدین الرازی صاحب ''التفسیر الکبیر'' اس منہج کے حامل رہے لیکن بالآخر حیران و پریشان ہو کر فرمایا:

نِهَايَةُ إِقْدَامِ الْعُقُولِ عِقَالُ
وَغَايَةُ سَعْيِ الْعَالَمِيْنَ ضَلَالُ
وَلَمْ نَسْتَفِدْ مَنْ بَحْثِنَا طُولَ عُمْرِنَا
سِوَى أَنْ جَمَعْنَا فِيهِ قِيلٌ وَقَالُ

اس سے قبل امام ابوالحسن الاشعری جو ایک عرصہ فلسفی وکلامی منہج پر قائم رہے، پھر تائب ہو کر اشعری منہج اختیار کیا جو متکلمین اور سلف کے طریقہ کار کا درمیانی طریقہ تھا، اور بالآخر ان تمام چیزوں سے تائب ہو کر اپنی آخری تالیف ''الإبانة'' میں صاف لکھ دیا:

((أَنَا عَلَى طَرِيْقَةِ الْإِمَامِ أَحْمَدَبْنِ حَنْبَلٍ.))

یعنی ''میں اسماء وصفات کے باب میں امام احمد بن حنبل کے منہج پر ہوں۔''

علماء سلف کا منہج انتہائی مبارک ہے، اس کے حصول کے لیے بہت سی کتب نافعہ منظر عام پر آچکی

ہیں، زیر نظر کتاب کی افادیت بھی علماء سلف وخلف میں مسلّم ہے، یہ ایک علمی دستاویز ہے۔
اللہ تعالیٰ اس کے مؤلف امام بربہاری اور شارح شیخ عبداللہ بن صالح العبیلان اور مترجم حافظ حامد محمود صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کی اس کوشش کو سعی مشکور بنائے۔
اس کتاب کا نفع عام فرمائے، اور اسے قبولِ حسن عطا فرمائے، اور اس امت کو یہ توفیق عطا فرمائے کہ عقیدہ ومنہج کے تعلق سے علماء سلف کی گرانقدر جہود سے مستفید ہوکر، اپنی اصلاح کرکے دنیا وآخرت کی کامیابی سے مالا مال ہوں۔
اصل کامیابی دنیوی علائق، تعصّبات اور مصنوعی فرقوں کے دفاع میں نہیں، بلکہ خالص قرآن وحدیث کو اپنا کر اللہ تعالیٰ کی رضا ومحبت کو حاصل کرنے میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

(فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۗ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ)(آل عمران:۱۸۵)

''پس قیامت کے دن جو شخص آگ سے دور کر دیا گیا، اور جنت میں داخل کر دیا گیا، وہ فائز المرام ہوجائے گا۔''

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے:

((كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبَى. قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، وَمَنْ يَأْبَى؟ قَالَ: »مَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَبَى.))[1]

''میری تمام کی تمام اُمت جنت میں جائے گی، مگر جس نے (جنت میں جانے سے) انکار کر دیا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! کون ہے جو (جنت میں جانے سے) انکار کرے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگیا، اور جس نے میری نافرمانی کی، پس تحقیق اس نے (جنت میں جانے سے) انکار کیا۔''

[1] صحيح بخاري، كتاب الإعتصام بالكتاب والسنة، رقم: ۷۷۰

قارئین کرام! ان دونوں نصوص پر غور کریں۔ پہلی نص کس چیز کو کامیابی قرار دے رہی ہے؟ اور دوسری نص کامیابی کے لیے کون سا منہج پیش کر رہی ہے؟

اتباعِ رسول کے علاوہ ہر طریقہ اور منہج مردود ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لیسَ علیه أمرُنا فهو رَدٌّ.))①

''جس شخص نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہ ہو تو وہ مردود ہے۔''

سیّدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((وَخَيْرَ الْهُدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ . وَشَرَّ الأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلاَلَةٌ.))②

''اور بہترین سیرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے، اور سب سے بدترین کام وہ ہیں جو نئے وضع کیے گئے ہوں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

بعض اوقات تھوڑی سی حیرت ہوتی ہے کہ لوگ اس قدر واضح اور صافی منہج سے رُوگردانی کیوں اختیار کیے ہوئے ہیں؟ لیکن پھر یہ سوچ کر کہ ہدایت و گمراہی تو اللہ کے اختیار میں ہے اور یہ سب پروردگار کے بھید ہیں، جن پر کوئی مطلع نہیں ہو سکتا، مطمئن ہو جاتا ہوں۔

آخر میں ہم نعمتِ اسلام اور نعمت عقیدہ و منہج سلف صالحین پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

فبنعمته تتم الصالحات ، ولا حول ولا قوة إلا بالله. وأصلي وأسلم على نبيه محمد و على آله وصحبه و أهل طاعته أجمعين.

وكتبه

عبداللہ ناصر رحمانی

---

① صحيح مسلم، كتاب الأقضية، رقم: ۴۴۹۳.

② صحيح مسلم، كتاب الجمعة، رقم: ۸۶۷.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

یقینا تمام تعریفیں اللہ کے لیے خاص ہیں، ہم اس کی حمد بیان کرتے ہیں، اسی سے مدد مانگتے ہیں اور اسی سے بخشش طلب کرتے ہیں۔ہم اپنے نفس کی شرارتوں اور اپنے اعمال کی برائیوں سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔ جسے اللہ راہ دکھادے، اسے کوئی راہ سے ہٹانے والا نہیں اور جسے وہ راہ سے ہٹادے اسے کوئی راہ دکھانے والا نہیں۔اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔اے اللہ! ہمارے نبی محمد ﷺ، اور ان کے ماننے والوں، اور ان کے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم پر درود و سلام اور برکتیں نازل فرما۔

حمد وصلوٰۃ کے بعد!

یہ کتاب اپنے وقت کے امامِ اہل سنت ابو محمد حسن بن علی بن خلف بربہاری کی کتاب ''شرح السنۃ'' کا خلاصہ اور اس کے چند گوشے ہیں، جس کی شرح اور تعلیق ہمارے شیخ ابو عبدالرحمٰن بن صالح العبیلان نے شہر حائل میں اپنے کسی بابرکت علمی دورے میں کی ہے۔

چنانچہ ہمیں اچھا لگا کہ ان گوشوں کو منظر عام پر لائیں کیونکہ ہم نے دیکھا کہ اس میں مسلم جوانوں کے لئے بڑی مفید چیزیں ہیں اور اس قسم کی کتابیں پڑھنا مسلم جوانوں کے لئے کس قدر ضروری ہے، کیونکہ ایسی کتابیں سلفی طریق و منہج بیان کرتی ہیں جو بحکم الٰہی اس فرقہ بازی اور مذہبی جھگڑوں کے مقابلے میں سراسر نجات ہے، اور سلف صالحین کے منہج کو عقیدہ و فقہ میں، اخلاق و سلوک میں اختیار کرنا ہی فتنوں اور شبہات کی موجوں سے لبریز بحرِ بے کراں میں امن کا آخری کنارہ ہے۔

اس کتاب میں ہم نے درج ذیل کام کیا ہے:

1: قرآنی آیات کے حوالے۔

2: شرح میں ذکر کردہ احادیث کی تخریج۔

3: ممکنہ حد تک اہل علم کے اقوال کے حوالے و مآخذ۔

4: بعض مکرر عبارتوں کا حذف کیونکہ ہمارے شیخ نے یہ کتاب طالب علموں کو املاء کروائی تھی۔

ہم اس کتاب کو منظر عام پر لاتے ہوئے اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ اس کے نفع کو عام کردے۔ ہمارے اس عمل کو خالص اپنی ذات کریم کے لیے بنادے۔ ہمارے شیخ ابوعبدالرحمن کو ثواب کثیر و عظیم عطا فرما، وہی اس کا مالک اور اس پر قادر ہے، اور اللہ، ہمارے نبی محمد ﷺ، اوران کے ماننے والوں، اوران کے تمام صحابہ پر درود و سلام بھیج۔

مجموعہ طلبۂ علم

امام بربہاری رحمہ اللہ کے مختصر حالاتِ زندگی

یہ حافظ فقیہ ابو محمد حسن بن علی بن خلف بربہاری ہیں، آپ اپنے دور میں بغداد میں حنابلہ کے شیخ تھے، وہیں پلے بڑھے، اصحابِ امام احمد کے شاگرد ہیں۔ جن میں امام احمد بن محمد ابوبکر المروزی اور دیگر بہت سے لوگ ہیں۔ آپ رحمہ اللہ بڑے حق گو اور زبان وقلم سے بدعتیوں پر سخت نکیر کرنے والے تھے، اور اس راہ میں آپ کو عظیم مواقف، مشہور باتوں اور بڑی آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا، اور اس بارے میں آپ کا چرچا عام ہوا۔ آپ اللہ سے ڈرنے والے اور دنیا کے مال ومتاع سے الگ رہنے والے تھے، اسی لیے بتایا جاتا ہے کہ آپ اپنے والد کے ترکے میں سے ۷۰ ہزار درہم سے بری ہو گئے تھے۔

اس امامِ عالی مرتبت سے بہت سے طالب علم سیراب ہوئے اور بہت سے مشہور علماء ان کے علم سے فیضیاب ہوئے، انھیں میں ابوبکر محمد بن عثمان اور ابن بطۃ العکبری اور ابوالحسین بن سمعون وغیرہم ہیں۔

ان کی وفات ۳۲۹ ہجری کو بغداد میں ہوئی، اس وقت ان کی عمر ۹۶ برس تھی، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ۷۷ برس تھی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہید

((قَالَ الْمُؤَلِّف رحمه الله عليه: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدَانَا لِلْاِسْلَامِ، وَمَنَّ عَلَيْنَا بِهٖ، وَ أَخْرَ جَنَا فِيْ خَيْرِ أُمَّة. فَنَسَأَلُهُ التَّوْفِيْقَ لِمَا يُحِبُّ وَيَرْضٰى، وَالْحِفْظَ مِمَّا يَكْرَه وَ يَسْخَطُ. اعْلَمُوْا أَنَّ الْإِسْلَامَ هُوَ السُّنَّةُ، وَالسُّنَّةُ هِيَ الْإِسْلَامُ، وَلَا يَقُوْمُ أَحَدُهُمَا إِلَّا بِالْآخَرِ.))

''مؤلف رحمہ اللہ نے فرمایا: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے خاص ہیں، جس نے ہمیں اسلام کی طرف ہدایت دی، اور ہم پر اس کے ذریعے احسان کیا، اور ہمیں بہترین اُمت میں شامل کیا۔ پس ہم اس سے اس کی پسند اور اس کی مرضی کے مطابق باتوں کی توفیق طلب کرتے ہیں۔ اور حفاظت مانگتے ہیں، اس سے جسے وہ ناپسند کرتا ہے اور ناراض ہوتا ہے۔

جان لو! اسلام ہی سنت ہے اور سنت ہی اسلام ہے۔ اور ان دو میں سے ہر ایک دوسرے کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔''

جان لو! اسلام ہی سنت ہے۔ اسلام اپنے عام مفہوم میں اللہ تعالیٰ کی عاجزانہ اطاعت اور شرک سے خلاصی کے ساتھ تابعداری کو کہتے ہیں۔ اسلام کے کئی مطالب ہیں، ان میں سے ایک ''توحید'' ہے۔ یہاں مؤلف کی مراد وہ توحید ہے جس کا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے تمام بندوں کو حکم دیا۔ اور وہ توحید عبادت ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

(اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ)(آل عمران:۱۹)

''یقین کرلو! دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔''

اور یہی وہ توحید ہے جس کے بارے میں انبیاء علیہم السلام اور ان کی اقوام کے مابین جھگڑا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ)(النحل:٣٦)

''اور البتہ تحقیق ہم نے ہر قوم میں ایک پیغام پہنچانے والا بھیجا (اس نے کہا) کہ اللہ کی عبادت کرو، اور طاغوت سے دور رہو۔''

اور اسلام بمعنی توحید کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا مزید فرمان ہے:

(شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ)(الشوریٰ:١٣)

''اللہ نے تمہارے لیے وہی دین مقرر کر دیا ہے، جس کے قائم کرنے کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا، اور جس کی وحی ہم نے تیری طرف کی، اور جس کا تاکیدی حکم ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا تھا کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں جدا جدا نہ ہو جانا۔''

اسلام عقیدے اور شریعت کے معنی میں بھی آتا ہے جسے نبی ﷺ لے کر آئے، اور جس کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے پسند فرمایا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

(وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ)(المائدۃ:٣)

''اور میں نے اسلام کو تمہارے لیے بطورِ دین پسند کیا ہے۔''

مزید ارشاد فرمایا: (لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۭ)(المائدۃ:٤٨)

''تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے ایک راستہ اور ایک طریقہ مقرر کیا ہے۔''

اور نبی ﷺ کا فرمان ہے:

((نَحْنُ مَعَاشِرُ الْأَنْبِيَاءِ أبناء عَلَّاتٍ، وَدِيْنُنَا وَاحِدٌ.))[1]

''ہم انبیاء کی جماعت علاتی بھائیوں کی طرح ہیں، اور ہمارا دین ایک ہے۔''

جان لو! اسلام ہی سنت ہے اور سنت ہی اسلام ہے: سنت عربی لغت میں طریقے کو کہتے

[1] تفسیر الطبری: ٣٩٦/٥۔ زاد المسیر: ٣٧٣/٢

ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ)(النساء:۲۶)

''اور وہ تمھیں تم سے پہلے لوگوں کے طریقوں کی طرف ہدایت دیتا ہے۔''

صاحب قاموس نے فرمایا:

''سنت طریقہ مسلوکہ کے معنی میں آتا ہے، خواہ یہ اچھا طریقہ ہو یا برا۔''

محدثین کے نزدیک: سنت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ماثور قول وفعل کو کہتے ہیں۔ اور اس میں ''ترک'' بھی شامل ہے جو کام نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ترک کر دیا ہو، ''تقریر'' جو کام آپ کے سامنے کیا گیا یا جو بات آپ کے سامنے کہی گئی اور آپ اس پر خاموش رہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی کام کرنے یا کوئی بات کہتے وقت کی کیفیت کو بھی ''سنت'' کہتے ہیں۔

اُصولیوں کے نزدیک: سنت قرآن کے سوا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ہونے والے قول وفعل اور تقریر کو کہتے ہیں، اور ایسے قول کو ''حدیث'' بھی کہتے ہیں۔

سنت کا قرآن سے ربط

سنت اور قرآن کا آپس میں کئی وجوہ سے ربط اور تعلق ہے، بطورِ مثال ربط کی چند صورتیں پیش خدمت ہیں:

1۔ سنت قرآنی احکامات کے موافق ہو تو یہ تاکید مزید کا فائدہ دیتی ہے:

1: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان:

((لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِيءٍ مُسْلِمٍ اِلَّا بِطِيْبِ نَفْسٍ مِنْهُ.))[1]

''کسی مسلمان شخص کا مال اس کی دلی رضامندی کے بغیر حلال نہیں۔''

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے موافق ہے:

(وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ)(البقرة:۱۸۸)

[1] مسند احمد: ۵/ ۷۲، رقم: ۲۰۶۹۰۔ شیخ شعیب نے اسے ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

''اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق مت کھاؤ۔''

2: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان:

((إِنَّ اللّٰهَ لَيُمْلِيْ لِلظَّالِمِ حَتّٰى إِذَا أَخَذَهُ لَمْ يُفْلِتْهُ.))[1]

''یقیناً اللہ ظالم کو مہلت دیتا رہتا ہے یہاں تک کہ جب اسے اچانک پکڑتا ہے تو اس کو موقع نہیں دیتا۔''

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے موافق ہے:

﴿وَكَذٰلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ﴾(ھود:۱۰۲)

''تیرے رب کی پکڑ ایسی ہی ہوتی ہے جب وہ بستیوں کو اس حال میں پکڑتا ہے کہ وہ ظلم کرنے والی ہوتی ہیں۔''

3: اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان:

((فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَاءِ فَإِنَّكُمْ أَخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانِ اللّٰهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللّٰهِ.))[2]

''عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو کیونکہ تم نے انھیں اللہ کی امانت کے ساتھ لیا ہے، اور ان کی شرمگاہوں کو اللہ کے کلمہ کے ساتھ حلال کیا ہے۔''

اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس فرمان کے موافق ہے:

﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾(النساء:۱۹)

''اور تم عورتوں کے ساتھ اچھے طریقے کے ساتھ زندگی گذارو۔''

2۔ سنت قرآنی حکم کی وضاحت کرتی ہے:

1: قرآنی غیر مفصل احکامات مثلاً نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج وغیرہ کے تفصیلی احکامات پر مشتمل احادیث اس کی دلیل ہیں:

[1] صحیح بخاري، کتاب التفسیر، رقم: ۴۶۸۶۔صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والادب، رقم:۲۵۸۳عن ابی موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ۔

[2] صحیح مسلم، کتاب الحج، رقم: ، عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ۔

2: وہ احادیث جو قرآنی مطلق حکم کو مقید کریں، جیسے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہاتھ مطلق ہے:

(وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا)(المائدۃ:۳۸)

''اور چوری کرنے والا مرد، اور چوری کرنے والی عورت، پس دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔''

اس اطلاق کو احادیث نے مقید کیا ہے کہ داہاں ہاتھ اور کلائی سے ہو، نہ کہ کہنی سے کاٹا جائے گا۔

3: وہ احادیث جو عام قرآنی حکم کو خاص کر دینے والی ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

(اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿٨٢﴾)(الانعام:۸۲)

''جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد اپنے ایمان کو ظلم سے خلط ملط نہیں کیا، انہی لوگوں کے لیے بے خوفی ہے اور یہی ہدایت یافتہ ہیں۔''

مذکورہ آیت میں ظلم عام ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((لَيْسَ ذَاكَ إِنَّمَا هُوَ الشِّرْكُ.))[1]

''ایسا نہیں ہے، اس سے مراد شرک ہے۔''

4: وہ احادیث جو قرآنی اشکال کی توضیح کریں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان:

(وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ)(البقرۃ:۱۸۷)

''کھاؤ پیو یہاں تک کہ تمہارے لیے سفید دھاگہ کالے دھاگے سے فجر کے وقت واضح ہو جائے۔''

میں دھاگوں کی وضاحت کرنے والی حدیث، جب بعض صحابہ نے سمجھا کہ اس سے مراد

[1] صحيح بخاري، كتاب الإيمان، رقم: ۳۲۔ صحيح مسلم، كتاب الايمان، رقم: ۱۲۴ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما۔

سفید اور کالی رسیاں ہیں تو نبی ﷺ نے فرمایا:

((هُمَا بَيَاضُ النَّهَارِ، وَسَوَادُ اللَّيْلِ.))[1]

''یہ دونوں دن کی روشنی، اور رات کی سیاہی ہیں۔''

3۔ سنت ایسا حکم دے جس سے قرآن خاموش ہو:

1: نبی ﷺ کا فرمان:

((هُوَ الطَّهُوْرُ مَاؤُهُ، الْحِلُّ مَيْتَتُهُ.))[2]

''(سمندر) اس کا پانی پاک ہے، اور اس کا مردار حلال ہے۔''

2: ذبح شدہ جانور کے پیٹ سے نکلنے والا مردہ بچے (جنین) کے بارے میں فرمانِ نبوی ﷺ کہ:

((ذَكَاةُ الْجَنِيْنِ ذَكَاةُ أُمِّهِ.))[3]

''اس کی ماں کو ذبح کرنا جنین کا ذبح کرنا ہی ہے۔''

3: ربا الفضل (وہ سود جو اصل مال سے زائد ہو) کی حرمت کے بارے میں وارد احادیث بھی اس کی مثال ہیں۔

4: اور ہر کچلیوں والے درندے، اور پنجوں سے نوچ کر کھانے والے پرندے، اور پالتو گدھوں کی حرمت کے بارے میں وارد احادیث بھی اس کی مثال ہیں۔

4۔ سنت رسول کتاب اللہ کی ناسخ ہو سکتی ہے:

---

[1] صحيح بخاري، كتاب الصوم، رقم: ١٨١٧۔ صحيح مسلم، كتاب الصيام، رقم:١٠٩٠، عن عدي بن حاتم رضي الله عنه.

[2] سنن نسائي، كتاب الطهارة ٥٩۔ سنن ترمذي، كتاب الطهارة، رقم: ٦٩، سنن ابى داؤد، كتاب الطهارة، رقم: ٨٣، عن أبى هريرة رضى الله عنه۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

[3] مسند احمد: ٣٩/٣، عن ابى سعيد الخدرى ۔ ابن حجر نے اس کو ''حسن'' کہا ہے۔ تلخيص الحبير: ١٥٦/٤.

1: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ((لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ.))[1]

''کسی وارث کے حق میں وصیت کرنا جائز نہیں۔''

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان:

(كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿١٨٠﴾) (البقرة:١٨٠)

''تم پر بوقت موت والدین اور اقربا کے حق میں معروف طریقے سے وصیت کرنا فرض قرار دیا گیا ہے، اگر مال چھوڑا ہو یہ پرہیز گاروں پر ذمے داری ہے۔''

میں واردشدہ والدین اور اقربا کے حق میں حکم وصیت، وجوہ تفسیر میں سے ایک وجہ کے مطابق ناسخ ہے۔

2: حدیث:

((اَلْبِكْرُ بِالْبِكْرِ جَلْدُ مِائَةٍ وَ تَغْرِيْبُ عَامٍ))[2]

''کنوارا کنواری کے ساتھ (اگر زنا کرے تو) سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی۔''

ایک صورت کے مطابق ''سورۃ النساء'' کی اس آیت کی ناسخ ہے۔

(وَاللَّاتِي يَأْتِينَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ) (النساء:١٥)

''تمہاری جو عورتیں فحاشی کی مرتکب ہوں (انھیں گواہوں کی گواہی کے بعد تا حیات گھروں میں قید کر دو)۔''

''مؤلف'' کا کہنا ہے:

((اِعْلَمُوْا أَنَّ الْإِسْلَامَ هُوَ السُّنَّةُ، وَالسُّنَّةُ هِيَ الْاِسْلَامُ، وَلَا يَقُوْمُ

[1] سنن ابي داؤد، كتاب البيوع والا جارات، رقم: ٣٥٦٥۔ سنن ترمذي، كتاب الوصايا، رقم: ٢١٢٠۔ سنن ابن ماجة، كتاب الوصايا، رقم: ٢٧١٣، عن ابی امامة الباهلی رضی اللہ عنہ. شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

[2] صحيح مسلم، كتاب الحدود، رقم: ١٦٩٠، عن عبادة ابن الصامت رضی اللہ عنہ.

أَحَدُهُمَا إِلَّا بِالْآخَرِ.))

''جان لو! اسلام ہی سنت ہے، اور سنت ہی اسلام ہے۔ اور ان دو میں سے ہر ایک دوسرے کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔''

یعنی یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ لازم وملزوم ہیں، یہ کسی حال میں ممکن نہیں کہ کوئی انسان سنت کے بغیر دین اسلام کا معتقد ہو یا دین اسلام کے بغیر سنت کا معتقد ہو، کیونکہ اسلام، شہادت، ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کا تقاضا ہے، اور سنت شہادتِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تقاضا ہے، اور کوئی انسان اسلام میں ان دونوں شہادتوں کے بغیر داخل نہیں ہو سکتا۔ نیز مذکورہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ فہم قرآن سنت کے بغیر ناممکن ہے۔ اور اگر آپ اس شخص کی گمراہی جاننا چاہتے ہیں جو فہم قرآن کو مستقل طور پر سنت سے علیحدہ کر کے سمجھتا ہے تو امام بخاری رحمہ اللہ کی سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی خوارج کے بارے میں جنہیں وہ مخلوق میں سب سے بدتر سمجھتے تھے' اس روایت میں غور وفکر کر لیں۔

((اِنَّهُمْ انْطَلَقُوا اِلٰى اٰيَاتٍ نَزَلَتْ فِي الْكُفَّارِ فَجَعَلُوْهَا فِي الْمُؤْمِنِيْنَ.)) ①

''خوارج نے ایسی آیات جو کفار کے بارے میں اتریں تھیں ان کا اطلاق مومنین پر کرنا شروع کر دیا۔''

خوارج نے قرآن کو اپنے مخصوص فہم سے سمجھنے کی کوشش کی، اور اسے سنت سے مربوط نہیں کیا۔ اور یہی اسلام سے تکبر اور انحراف کرنے والے تمام فرق کے انحراف کا ایک اہم سبب ہے۔ کیونکہ انہوں نے فہم قرآن، سنت کے ذریعے حاصل کرنے کو اپنے نفوس کے لیے لازم قرار نہیں دیا تھا۔

① صحيح بخاري، كتاب استتابة المرتدين والمعاندين، باب قتل الخوارج والملحدين بعد اقامة الحجة عليهم، معلقا۔ فتح الباري: ١٢/ ٢٩٨۔

سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واجب العمل ہے

1: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

(وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ)

(الحشر:۷)

''اور رسول تمھیں جو بھی دے پس تم اس کو پکڑ لو، اور جس سے روکے پس تم اس سے رک جاؤ۔''

2: اللہ تبارک وتعالیٰ کا اور ارشاد ہے:

(قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾)

(آل عمران:۳۲)

''کہہ دیجئے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، پھر اگر وہ پھر جائیں تو یقین کر لو کہ اللہ کافروں سے محبت نہیں کرتا۔''

3: (وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴿۳۶﴾)(الاحزاب:۳۶)

''کسی مومن مرد اور عورت کو زیبا نہیں دیتا کہ جب اللہ اور اس کے رسول کوئی فیصلہ کر دیں کہ انھیں اختیار مل جائے، اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا یقیناً وہ واضح گمراہی سے دوچار ہے۔''

4: (لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ)(الاحزاب:۲۱)

''یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں بہترین نمونہ ہے۔''

5: ﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ (النور:٦٣)

''جو لوگ رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں انھیں ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں ان پر کوئی آزمائش نہ آجائے یا انھیں کوئی دردناک عذاب نہ آ پکڑے۔''

6: ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ (النساء:٦٥)

''تیرے رب کی قسم! لوگ مومن ہو ہی نہیں سکتے جب تک تجھے اپنے اختلافات میں فیصل نہ مان لیں، پھر تیرے فیصلے سے اپنے دل میں کوئی تنگی بھی محسوس نہ کریں اور دل سے تسلیم کر لیں۔''

7: رسولِ اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

((أَلَا إِنِّي أُوتِيتُ الْكِتَابَ، وَمِثْلَهُ مَعَهُ أَلَا يُوشِكُ رَجُلٌ شَبْعَانُ عَلَى أَرِيكَتِهِ يَقُولُ عَلَيْكُمْ بِهَذَا الْقُرْآنِ فَمَا وَجَدْتُمْ فِيهِ مِنْ حَلَالٍ فَأَحِلُّوهُ، وَمَا وَجَدْتُمْ فِيهِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوهُ، أَلَا لَا يَحِلُّ لَكُمْ لَحْمُ الْحِمَارِ الْأَهْلِيِّ، وَلَا كُلُّ ذِي نَابٍ مِنَ السَّبُعِ، وَلَا لُقَطَةُ مُعَاهِدٍ، إِلَّا أَنْ يَسْتَغْنِيَ عَنْهَا صَاحِبُهَا، وَمَنْ نَزَلَ بِقَوْمٍ فَعَلَيْهِمْ أَنْ يَقْرُوهُ فَإِنْ لَمْ يَقْرُوهُ فَلَهُ أَنْ يُعْقِبَهُمْ بِمِثْلِ قِرَاهُ))[1]

''خبردار! مجھے قرآن اور اس کے ساتھ اس جیسی ایک اور چیز بھی دی گئی ہے۔ خبردار! ممکن ہے کہ ایک شکم سیر شخص اپنے تکیے پر ٹیک لگائے ہوئے کہے کہ تم پر قرآن لازم ہے تم جو چیز اس میں حلال پاؤ اسے حلال سمجھو، اور جسے حرام پاؤ اسے حرام سمجھو، حالانکہ اللہ کا رسول بھی حرام کرتا ہے جس طرح اللہ نے حرام کیا۔ خبردار! تمھارے لیے پالتو گدھا حلال

[1] سنن ابي داؤد، كتاب السنة، رقم: ٤٦٠٤۔ سنن ابن ماجة، رقم: ١٢۔ سنن دارمي، رقم: ٥٨٦۔ مسند أحمد: ١٣٠/٤، عن المقداد بن معد يكرب . علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

نہیں، اور نہ کچلیوں والا درندہ اور نہ کسی ذمی کا گرا ہوا سامان اِلاّ یہ کہ وہ اس سے بے توجہی برتے، اور جو کسی قوم کے ہاں مہمان ہو تو ان کے لیے لازم ہے کہ اس کی مہمان نوازی کریں، اور اگر یہ نہ کریں تو اسے اختیار ہے کہ اپنی مہمان نوازی کے مثل اس سے معاوضہ لے لے۔''

8: ((أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللَّهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ عَبْدًا حَبَشِيًّا، فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا. فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ فَتَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ. وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ. فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ.))[1]

''میں تمھیں وصیت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈرتے رہنا، اور امام کی بات سن کر اس کی اطاعت وفرمانبرداری کرنا اگرچہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ تم میں سے میرے بعد جو زندہ رہے گا، وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا تو (اس وقت) تم پر میرا طریقہ اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کا طریقہ لازم ہے۔ اسے مضبوطی سے پکڑلو اور اسے اپنی ڈاڑھوں سے تھام لو، اور نئے نئے کام ایجاد کرنے سے بچو کیونکہ (دین میں) ہر نیا کام بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

کتاب وسنت کی روشنی میں جماعت کو لازم پکڑنے کے دلائل:

((فمن السنة لزوم الجماعة، فمن رغب عن الجماعة وفارقها، فقد خلع ربقة الإسلام من عنقه، وكان ضالا مضلا.))

---

[1] مسند احمد: ۴/۱۲۶-۱۲۷۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنة، رقم: ۴۶۰۷، ۷۰۱۰۔ سنن ترمذي، كتاب العلم، رقم: ۲۶۷۶۔ سنن ابن ماجة، المقدمه، رقم: ۴۲، عن العرباض بن سارية رضی اللہ عنہ۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

''پس جماعت کو لازم پکڑنا سنت ہے، جو جماعت سے بے رغبتی اختیار کرے، اور جدا ہو جائے، تو یقیناً اس نے اسلام کا پٹہ اپنے گلے سے اتار پھینکا، اور خود بھی گمراہ ہوا، اور دوسرے لوگوں کو بھی گمراہ کرنے والا بن گیا۔''

1: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

(يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿١٠٢﴾ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا)

(آل عمران:١٠٢)

''اے ایمان والو! اللہ سے کما حقہ ڈرتے رہو، اور تمھیں موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو، اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور فرقہ فرقہ نہ ہو جاؤ۔''

ابن جریر رحمہ اللہ نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس فرمان کہ (وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا) (آل عمران:١٠٢) ''اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو'' کی تفسیر میں صحیح اسانید کے ساتھ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ذکر کیا ہے کہ ''اس سے مراد جماعت ہے۔''[1]

ایسے ہی ''حَبْلُ اللَّهِ''...... ''اللہ کی رسی'' کی تفسیر میں سلف صالحین رحمہم اللہ کے مستند اقوال بھی ذکر کیے ہیں کہ اس سے مراد قرآن، اخلاص اور اسلام ہے۔ ان تمام اقوال کا ثمرہ اور نتیجہ ایک ہی ہے۔ کیونکہ قرآن کے ساتھ اعتصام، اللہ وحدہ لاشریک کے لیے اخلاص اور سنت کے ساتھ تمسک ہی وہ امور ہیں، جن کے ذریعے مسلمانوں کی باہمی الفت، ان کی اجتماعیت اور ان کا باہمی ربط منتج ہوتا ہے۔ اس وقت میرے ذہن میں اللہ کے اس فرمان کے بارے میں ایک گراں قدر نکتہ آیا ہے:

(لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ) (الانفال:٦٣)

---

① جامع البيان في تاويل القرآن: ٣/٣٧٨۔

''اگر تو زمین کا سارا خزانہ بھی خرچ کرڈالے تب بھی ان کے دلوں میں الفت ومحبت نہیں ڈال سکے گا۔''

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں یہ عظیم نقطہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر تمام ملکیت اور زمین کا خزانہ بھی خرچ کردیا جائے تب بھی لوگوں کے مابین (محبت، بھائی چارہ) ناممکن ہے۔ پس محبت عقائد کی وحدت کے ذریعے ہی حاصل ہوسکتی ہے۔ لہٰذا کہا جاسکتا ہے اگر اسلامیان عالم وحدت امت کے تمام طریقے اختیار کرلیں تب بھی سوائے قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ عقیدہ توحید کے اتحاد ممکن نہیں۔

ابن جریر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہے کہ لوگ اللہ کے اس دین کو مضبوطی سے تھام لیں، جس کا اس نے تمھیں حکم دیا ہے، اور اس وعدہ کا جس کا اس نے تم سے اپنی کتاب میں وعدہ لیا ہے۔ یعنی باہمی محبت والفت اور کلمہ حق پر اکٹھے ہونا، اور اللہ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم لینا۔''①

امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: (وَّلَا تَفَرَّقُوْا) ''اور فرقہ فرقہ مت ہوجاؤ۔'' اللہ نے لوگوں کو جماعت کا حکم دیا، اور انھیں فرقہ بازی سے روکا ہے، اور فرقہ بازی سے منع کرنے اور اجتماعیت اور باہمی الفت کا حکم دینے والی احادیث بھی بکثرت کتب احادیث میں موجود ہیں۔ اور یہاں تک فرمایا کہ اگر لوگ اتفاق سے رہیں گے تو ان کو ہر قسم کی خطا سے محفوظ رکھنے کی گیارنٹی دی جاتی ہے۔ جیسا کہ بہت سی احادیث میں وارد ہے۔ اور ان پر افتراق واختلاف کا خوف کیا گیا ہے جو کہ اس امت میں واقع ہوچکا ہے کہ تہتر فرقوں میں بٹ چکے ہیں، ان میں ایک فرقہ جنت کے ذریعہ نجات پانے والا اور جہنم کے عذاب سے بچ جانے والا ہے۔ اور یہ لوگ اس منہج پر ہیں، جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم تھے۔''②

① جامع البیان: ۳/۳۷۸۔ ② تفسیر ابن کثیر: ۱/۳۶۷۔

اور علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تفسیر میں لکھا ہے: ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾ کہ اس سے مراد جماعت ہے۔ اور یہ معنی سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے بھی کئی صحیح سندوں سے ثابت ہے۔ اور یہ تمام معانی قریب قریب اور ایک دوسرے میں داخل ہیں، کیونکہ اللہ ذوالجلال والاکرام نے الفت و بھائی چارگی کا حکم دیا ہے، اور تفرقہ سے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ فرقہ بازی میں ہلاکت اور جماعت میں اس ہلاکت سے نجات ہے۔ ابن مبارک رحمہ اللہ نے کیا خوب فرمایا کہ:

إِنَّ الْجَمَاعَةَ حَبْلُ اللّٰهِ فَاعْتَصِمُوا ... مِنْهُ بِعُرْوَتِهِ الْوُثْقَى لِمَنْ دَانَا[1]

"جماعت سے مراد تو اللہ کی رسی ہے، پس جو شخص اللہ سے قریب ہونا چاہتا ہے وہ اس مضبوط کڑے کو پوری قوت کے ساتھ تھام لے۔"

امام ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ کتاب اللہ کے ساتھ اعتصام کی حقیقت مختصراً بیان کرتے ہیں کہ "لوگوں کی آراء، ان کے قیاسات، معقولات، ذوق، کشف اور وجدان کے علاوہ قرآن کریم کو حاکم مان لیا جائے۔ جو شخص ایسا نہ کرے وہ اس اعتصام سے نکل چکا ہے، کیونکہ دین سارے کا سارا علم و عمل، اخلاص، استعانت، تابعداری اور روزِ قیامت تک اس کے اور اس کی رسّی کے ساتھ اعتصام اور ہمیشگی برتنے میں ہے۔"[2]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ يَرْضَى لَكُمْ ثَلَاثًا, وَيَكْرَهُ لَكُمْ ثَلَاثًا: أَنْ تَعْبُدُوهُ, وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، وَأَنْ تَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا.....))[3]

"یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر تین کاموں سے خوش ہوتا ہے۔ اور تین کاموں کو تمہارے

---

① تفسیر قرطبی: ۱۵۶/۴.

② مدارج السالکین: ۳/ ۳۲۳.

③ صحیح مسلم، کتاب الاقضیة، رقم: ۱۷۱۵، عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ.

لیے ناپسند کرتا ہے (جو اللہ کو پسند ہیں) کہ تم اس کی عبادت کرو اور اس میں کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے پکڑ لو۔ اور فرقہ فرقہ نہ ہو جاؤ....''

امام نووی رحمہ اللہ اس عظیم حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ ''اللہ کے ساتھ اعتصام کا معنی اس کے ساتھ ہوئے معاہدہ پر مضبوطی سے قائم رہنا، اس کی کتابِ عزیز اور اس کی حدود کی پیروی کرنا اور اس کے آداب کو اختیار کرنا ہے۔ ''حبل'' کا اطلاق عہد، امان، اور تعلق جیسے سب معنوں پر ہوتا ہے۔ عربوں میں اصلاً لفظ ''حبل'' ایسے کاموں کے لیے استعمال ہوتا ہے کہ وہ خراب حالات میں ایک دوسرے کو اپنا کیا ہوا عہد و معاہدہ یاد دلاتے ہیں، اور اسی معاہدہ کو تھامے رہتے ہیں، اسی کے ذریعے متفرق لوگوں کو ملاتے ہیں۔

چنانچہ لفظ ''حبل'' ایسے کاموں سے ہی استعارہ ہے۔ اور یہ فرمان کہ (وَّلَا تَفَرَّقُوْا) ''فرقہ فرقہ مت بنو۔'' مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑنے، اور ایک دوسرے کے ساتھ محبت و پیار رکھنے کا حکم ہے جو کہ اسلام کی بنیادوں میں سے ایک ہے۔''[1]

امام نووی رحمہ اللہ نے جماعت کے ساتھ چمٹے رہنے کو اور آپس میں محبت کو لازم قرار دیا ہے۔ اور یہ اسلام کے ستونوں میں سے ایک ستون ہے۔ اور اس قاعدہ کی بنیاد و اصل امام نووی رحمہ اللہ نے حدیث صحیح کو بنایا ہے، اور یہی تمام اہل علم کا متفقہ قول ہے۔ اور آگے ان شاء اللہ اس بارے میں بعض اقوال آئیں گے۔

اس بارے میں بنیاد، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے:

((نَضَّرَ اللَّهُ عَبْدًا، سَمِعَ مَقَالَتِي هَذِهِ فَحَمَلَهَا، فَرُبَّ حَامِلِ الْفِقْهِ فِيهِ غَيْرُ فَقِيهٍ، وَرُبَّ حَامِلِ الْفِقْهِ إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ، ثَلَاثٌ لَا يُغِلُّ عَلَيْهِنَّ صَدْرُ مُسْلِمٍ: إِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلَّهِ، وَمُنَاصَحَةُ أُولِي الْأَمْرِ، وَلُزُومُ جَمَاعَةِ الْمُسْلِمِينَ، فَإِنَّ دَعْوَتَهُمْ تُحِيطُ مِنْ

[1] شرح نووی: ۱۲/ ۲۵۲۔

وَرَائِهِمْ))[1]

''اللہ تروتازہ وخوش وخرم رکھے اس شخص کو جس نے میری بات کو سنا (اور سننے کے بعد) اس کو یاد کیا، پس کتنے ہی (فقہ) حدیث کو لینے والے اس کو سمجھتے نہیں اور کتنے وہ لوگ جن کو حدیث پہنچائی جاتی ہے وہ ان سے زیادہ سمجھ لیتے ہیں جن سے انھوں نے حدیث کو لیا، تین چیزیں ایسی ہیں، جن کے بارے میں کسی مسلمان کا سینہ خیانت وبخل نہیں کرتا۔ (۱) عمل کو خالص اللہ کے لیے کرنے میں۔ (۲) اور اپنے حکمرانوں کی نصیحت کو قبول کرنے میں۔ (یعنی ان کے ساتھ اچھا سلوک اور ان کی اطاعت کرنے میں)۔ (۳) اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ چمٹنے اور لگے رہنے میں۔ پس یقیناً ان کی دعا انہیں ان کے پیچھے سے گھیرے ہوئے ہے۔''

سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ملک شام میں خطبہ ارشاد فرمایا: جس میں بیان کیا کہ ایک مرتبہ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کے لیے کھڑے ہوئے، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اسْتَوْصُوا بِأَصْحَابِي خَيْرًا، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ يَفْشُو الْكَذِبُ حَتَّى إِنَّ الرَّجُلَ لَيَبْتَدِئُ بِالشَّهَادَةِ قَبْلَ أَنْ يُسْأَلَهَا، فَمَنْ أَرَادَ مِنكُمْ بَحْبَحَةَ الْجَنَّةِ فَلْيَلْزَمُ الْجَمَاعَةَ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ الْوَاحِدِ، وَهُوَ مِنَ الاِثْنَيْنِ أَبْعَدُ، لَا يَخْلُوَنَّ أَحَدُكُمْ بِامْرَأَةٍ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ ثَالِثُهُمَا، وَمَنْ سَرَّتْهُ حَسَنَتُهُ وَسَاءَتْهُ سَيِّئَتُهُ، فَهُوَ مُؤْمِنٌ))[2]

''میرے صحابہ کے بارے میں مجھ سے اچھائی کی نصیحت کو قبول کرو، (ان کے

---

[1] مسند أحمد: ۲۲۵/۳۔ سنن ابن ماجه، المقدمة، رقم: ۲۳۶، عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔ سنن دارمی، رقم: ۲۳۰۔ مستدرک حاکم: ۸۸/۱، ابن حبان نے اس کو ''صحیح'' کہا ہے۔ صحیح ابن حبان، رقم: ۶۷، عن زید بن ثابت رضی اللہ عنہ۔

[2] مسند احمد: ۱۸/۱۔ سنن ترمذي، کتاب الفتن، رقم: ۲۱۶۵۔ مستدرک حاکم: ۱۱۳/۱ عن ابن عمر ابیه عمر رضی اللہ عنہما. علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

ساتھ اچھا سلوک کرو) پھر ان لوگوں کے بارے میں جو ان کے بعد آئیں، پھر ان لوگوں کے بارے میں جو ان کے بعد آئیں۔ اس کے بعد جھوٹ عام ہو جائے گا حتی کہ آدمی گواہی دینے میں جلدی کرے گا، اور قسم کا مطالبہ کیے جانے سے پہلے ہی قسم کھانے لگے گا، پس جو شخص جنت میں جانے کا ارادہ رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ وہ جماعت (حقہ) کے ساتھ چمٹ جائے (جڑ جائے)۔ یقیناً شیطان ہر اکیلے کے ساتھ ہوتا ہے، اور دو سے دور (بھاگتا ہے) کوئی شخص کسی غیر محرمہ عورت کے ساتھ خلوت اختیار نہ کرے، کیونکہ شیطان ان کا تیسرا ہوتا ہے۔ اور جس شخص کو اس کی نیکی خوش کردے (اچھی لگے) اور اس کی برائی ان کو غمگین کرے (بری لگے) وہ مومن ہے۔

ان دونوں حدیثوں میں واضح طور پر مومنوں کی جماعت کے ساتھ منسلک ہونے کا حکم ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الرسالۃ'' میں کتنی اچھی اور خوبصورت بات کہی ہے، وہ مذکورہ بالا حدیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''اس بات کا کیا مطلب و معنی ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے ان (مومنوں) کی جماعت کے ساتھ منسلک رہنے کا حکم دیا ہے؟''

فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اس کا صرف ایک ہی معنی ہے کہ جب ان کی جماعت مختلف شہروں میں بٹی ہوئی اور منتشر ہے تو کوئی شخص اس بات کی طاقت نہیں رکھتا کہ وہ ایسی جماعت کے ساتھ منسلک ہو جائے جس میں افراد کا جسمانی اتفاق ہو (اور دل کے لحاظ سے) وہ قوم منتشر و مختلف ہو (یعنی اندرونی طور پر ہر اختلاف ہو) اور یقیناً جسمانی و افرادی اتفاق مسلمانوں و کافروں، متقی لوگوں اور گنہگاروں میں پایا جاتا ہے۔

لیکن صرف افراد کے ساتھ منسلک ہونے کا کوئی فائدہ و مطلوب نہیں ہے۔ کیونکہ صرف جسمانی اتفاق و اجتماع کا کوئی فائدہ نہیں، یہ اجتماع و اتفاق کچھ نہیں کر سکتا۔ (اور جو جماعت رسول اللہ ﷺ کی مقصود تھی) وہ جماعت صرف وہ جماعت ہو سکتی ہے جو حلال و حرام اور ان دونوں چیزوں میں اطاعت پر متفق ہو۔ اور وہ شخص وہی بات کہے جو بات مسلمانوں کی

جماعت نے کہی ہو، جس نے ایسا کیا اس نے اپنے آپ کو جماعت کے ساتھ منسلک کر لیا اور جس شخص نے مسلمانوں کی جماعت کے قول کی مخالفت کی تحقیق اس نے اس جماعت کی مخالفت کی جس کے ساتھ اس کو منسلک رہنے کا حکم دیا گیا تھا۔''[1]

اختلاف اور فرقہ واریت کی مذمت اور اس سے بچنے کا بیان:

اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٠٥﴾ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿١٠٦﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١٠٧﴾﴾ (آل عمران:۱۰۵-۱۰۷)

''اے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم!) تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو روشن (اور واضح) دلائل آجانے کے بعد بھی فرقوں میں بٹ گئے، اور اختلاف کیا، یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے بڑا عذاب ہے۔ جس دن کچھ چہرے سفید (روشن) ہوں گے اور کچھ چہرے سیاہ ہوں گے، سیاہ چہرے والوں (سے کہا جائے گا) کہ کیا تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا؟ اب اپنے کفر کا عذاب چکھو۔ (اور ان کے برعکس) جو سفید چہرے والے ہوں گے وہ اللہ کی رحمت کے سائے تلے ہوں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔''

علامہ ابن جریر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اس سے اللہ جل شانہ کی مراد یہ ہے کہ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، تم اہل کتاب میں سے ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا، جنھوں نے پھوٹ ڈالی، اور اللہ کے دین کے بارے میں اختلاف کیا، اور اس کے اوامر (حکموں) اور نواہی (منع کردہ

[1] الرسالة للشافعي، ص: ۴۷۵، ۴۷۶.

باتوں) میں اختلاف کیا، حالانکہ جس چیز کے بارے میں وہ آپس میں اختلاف کر رہے تھے، اس بارے میں واضح دلائل و براہین آچکے تھے اور انھوں نے حق کو بھی پہچان لیا تھا، لیکن جان بوجھ کر اس کی خلاف ورزی کی، اور انھوں نے جسارت کرتے ہوئے اللہ کے حکم کی مخالفت کی، اور اس کے عہد و پیمان کو توڑا، (وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٠٥﴾) یعنی انھی لوگوں کے لیے جنھوں نے پھوٹ ڈالی اور واضح دلائل و براہین کے آجانے کے بعد آپس میں اختلاف کیا، اللہ کی طرف سے بہت بڑا عذاب ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے مومنو! تم اپنے دین میں پھوٹ نہ ڈالنا جس طرح انھوں نے اپنے دین میں پھوٹ ڈالی اور فرقے بنائے، اور جس طرح انھوں نے کیا، تم ایسا نہ کرنا۔ اور تم اپنے دین کے بارے میں ان لوگوں کے راستے پر مت چلنا (اور اگر بالفرض) تم ان کے طریقے اور راستے پہ چلے تو ان لوگوں کی طرح تمھارے لیے بھی بہت بڑا عذاب ہوگا۔

پھر آگے اپنی سند سے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان (وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا.....) کی تفسیر نقل کرتے ہیں کہ: "اللہ جل جلالہ نے مومنوں کی جماعت کے ساتھ منسلک رہنے کا حکم دیا ہے، اور مومنوں کو اختلاف و فرقہ بندی سے روکا ہے اور بتایا ہے کہ تم سے پہلے لوگ اللہ کے دین میں اختلاف اور لڑنے جھگڑنے کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔"[1]

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"جس نے (تغیر و تبدل) یعنی جس نے حکم کو تبدیل کیا یا دین الٰہی میں بدعت گھڑی جس کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا، اور نہ ہی اللہ نے اس کی اجازت دی ہے تو ایسا شخص ان لوگوں میں سے ہوگا جو "حوض کوثر" سے دھتکار دیے جائیں گے اور ان کے چہرے سیاہ ہوں گے۔

[1] جامع البیان: ۳/ ۳۸۵.

اور سب سے زیادہ انھیں دھتکارا اور بھگایا جائے گا، اور حوضِ کوثر سے زیادہ دور کر دیا جائے گا جن لوگوں نے مسلمانوں کی جماعت کی مخالفت کی، اور ان کے راستے سے الگ ہو گئے۔ جس طرح خارجی بشمول اپنے فرقوں کے اور رافضی (شیعہ) اپنی واضح گمراہی کے ساتھ اور معتزلہ بشمول اپنی خواہشات کے، یہ تمام لوگ (دین الہی) میں تبدیلی کرنے والے بدعتی ہیں۔ اور اسی طرح وہ ظالم جو ظلم و زیادتی میں آگے نکلے ہوئے ہیں، اور انھوں نے حق کو چھوڑ دیا ہے۔ اور اہل حق (میں سے کچھ) کو قتل کیا، اور کچھ کو ذلیل و رسوا کیا، اور وہ لوگ جو اعلانیہ گناہ کبیرہ کرتے ہیں، اور وہ جماعت جو کج رو، خواہش پرست اور بدعتی ہے، ان تمام لوگوں کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ اس آیت اور حدیث سے تمام لوگوں کو مراد لیا گیا ہے، جس طرح ہم نے بیان کر دیا ہے۔"[1]

سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما آیت کریمہ ﴿يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ "قیامت کے دن اہل سنت والجماعت کے چہرے چمک رہے ہوں گے، اور اہل بدعت اور تفرقہ کرنے والوں کے چہرے سیاہ ہوں گے۔"[2]

مزید برآں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ ۚ﴾ (الانعام: ۱۵۳)

"اور یہ میرا صراطِ مستقیم ہے، پس تم اسی پر چلو، اور دوسری راہوں پر نہ چلو کیونکہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی۔"

ابن جریر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: "اے لوگو! یہی وہ راستہ ہے جس کے بارے میں تمہارے رب نے ان دو آیتوں میں فرمایا ہے: ﴿قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ﴾ "اے نبی! ان (اہل کتاب) سے کہہ دو کہ آؤ میں وہ چیزیں تم پر تلاوت کرتا ہوں جن کو تمہارے رب نے تم پر حرام قرار دیا ہے۔" اور تمھیں اس کے پورا

---

[1] تفسیر قرطبی: ۴/ ۱۶۵.

[2] تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۳۹۶.

کرنے کا حکم دیا ہے یہی اس (اللہ) کا راستہ ہے یعنی وہ (مُسْتَقِيمًا) ''سیدھا'' طریقہ ودین جس کو اس (اللہ) نے اپنے بندوں کے لیے پسند کیا ہے۔ (فَاتَّبِعُوهُ) ''تو اسی کی پیروی کرو۔'' اسی پر عمل کرو، اور اسی کو اپنے نفسوں کے لیے طریقہ و منہج بناؤ، اور اسی پر چلو۔ (وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ) اس میں اللہ ربّ العزت نے فرمایا کہ ''اس راستہ کے علاوہ اور راستے پر نہ چلو، اور اس کے علاوہ کسی اور کو منہج نہ بناؤ۔ اور اس دین کے مقابلے میں یہودیت، عیسائیت، مجوسیت اور بت پرستی (ہندومت، بدھ مت وغیرہ) اور اس کے علاوہ اور ادیان کو دین نہ بناؤ، کیونکہ (یہ سارے) خود ساختہ راستے اور گمراہی ہیں۔ (فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''اگر تم نے ان گھڑے ہوئے راستوں اور ادیان کی پیروی کی تو یہ تمھیں ان راستوں کی طرف پہنچائیں گے جو راستے اللہ کے راستے نہیں جو ادیان اللہ کے دین نہیں، اور تم ان کی پیروی کی وجہ سے دین الٰہی سے دور ہو جاؤ گے۔'' (عَنْ سَبِيلِهِ) ''یعنی اس دین و طریقہ سے دور ہو جاؤ گے'' جس کو اللہ نے تمہارے لیے دین اور شریعت بنایا ہے، اور وہ دین دین اسلام ہے جس کا اللہ نے تم سے پہلے پیغمبروں اور امتوں کو حکم دیا ہے۔''[1]

پھر ابن جریر رحمہ اللہ اپنی سند سے سیّدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ سیّدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک دن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے ایک لکیر (لائن) کھینچی، پھر فرمایا: یہ اللہ کا راستہ ہے، پھر اس لکیر کی دائیں جانب ایک اور لکیر کھینچی، اور بائیں جانب بھی لکیریں کھینچیں اور فرمایا: یہ مختلف راستے ہیں ان میں سے ہر ایک پر شیطان ہے جو اس کی طرف بلا رہا ہے، پھر یہ آیت تلاوت فرمائی:

(وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ ۚ) (الأنعام: ١٥٣)[2]

---

[1] تفسیر الطبری: ۳۹۶/۵.

[2] سنن ابن ماجة، المقدمة، رقم: ١١، عن جابر رضی اللہ عنہ۔ تفسیر طبری: ۳۹۷/۵، عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔

پھر اپنی ایک اور سند سے بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''صراطِ مستقیم'' کیا ہے؟ تو سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ایک سرے پر ہمیں چھوڑا ہے اور اس کا دوسرا سرا جنت میں ہے، اور اس کے دائیں بائیں پگڈنڈیاں ہیں، اور ان پگڈنڈیوں پر کچھ شیطان ہیں۔ جو بھی ان پگڈنڈیوں کے پاس سے گزرتا ہے وہ اس کو ان کی طرف بلاتے ہیں۔ جس شخص نے بھی ان پگڈنڈیوں میں سے کسی پگڈنڈیوں کو اختیار کیا وہ جہنم میں چلا گیا۔ اور جس نے سیدھے راستے کو اختیار کیا وہ جنت میں پہنچ گیا۔'' پھر سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا﴾

''اور یقیناً یہ میرا سیدھا راستہ ہے۔''

جماعت سے کیا مراد ہے؟

امام شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''لوگوں نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے کہ احادیث میں جس جماعت کے ساتھ منسلک رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (اس کا کیا معنی ہے) یعنی وہ کونسی جماعت ہے؟ اس بارے میں پانچ اقوال ہیں:

1: اس سے مسلمانوں کی سب سے بڑی جماعت مراد ہے، (جس کو سوادِ اعظم کہا جاتا ہے)۔

2: اس سے ائمہ اور مجتہدین کی جماعت مراد ہے۔

3: اس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خاص جماعت مراد ہے۔

4: اس جماعت سے مراد اہل اسلام کی جماعت ہے۔ جب وہ کسی معاملے میں متفق ہو جائیں تو دوسرے ادیان کے لوگوں پر بھی اس کی اتباع واجب ہے۔ ①

5: امام طبری کے نزدیک اس سے مسلمانوں کی جماعت مراد ہے جو کسی امیر پر اتفاق کر لیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جماعت کے ساتھ منسلک ہونے کا حکم دیا ہے، اور اس سے الگ رہنے سے منع کیا ہے کہ وہ اس امت سے الگ رہیں، جنھوں نے اس امام کو مقدم کرنے (پیشوا بنانے) پر اتفاق کر لیا ہے۔'' ②③

---

① **نوٹ:**...... اس قول کو امام شاطبی رحمہ اللہ نے کسی کی طرف منسوب نہیں کیا جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس میں شدید ضعف ہے۔

② الاعتصام للشاطبی: ۲/ ۷۷.

③ [**نوٹ:**...... مگر اس کے لیے شرط یہ ہے کہ پہلے مسلمانوں کا کوئی امیر موجود نہ ہو، اگر ایک امیر کی موجودگی میں کوئی دوسرا امامت وامارت کا دعویٰ کرے، یا لوگ بغیر کسی وجہ کے اس کو اپنا امیر بنالیں تو یہ بھی افتراق وانتشار اور حزبیت ہے۔] (مترجم)

جماعت کے معنی کے بارے میں اہل علم کے اقوال کا خلاصہ:

جماعت سے مراد وہ چیز ہے جس پر عقیدہ اور عمل کے لحاظ سے نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین گامزن تھے۔ اسی وجہ سے ''حدیث افتراق'' جس میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل ۷۲ فرقوں میں بٹ گئے، اور میری امت ۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی۔ ان میں سے ایک نجات پانے والا ہوگا۔''[1] اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان فرقوں میں سے نجات پانے والی جماعت کے بارے میں پوچھا؟

تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ ایک ہی جماعت ہوگی۔ اور یہی اس فرمانِ باری تعالیٰ سے مراد ہے: (وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا) ''تم تمام کے تمام اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو۔'' اور اس معنی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ گروہ اور فرقے ''الجماعۃ'' یعنی مسلمانوں کی جماعت سے خارج ہیں۔ کیونکہ ان کا عقیدہ نبی ﷺ والا عقیدہ نہیں، نہ ہی ان کا منہج نبی ﷺ کا منہج ہے، اور نہ ہی ان کا راستہ نبی ﷺ کا راستہ ہے۔ انھوں نے تو رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی، اور ان مخالفت کرنے والوں میں کچھ غلو کی حد تک اور کچھ ان سے کچھ کم درجہ مخالفت میں ہیں۔

لیکن جس نے ان کی (یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کی تھوڑی مخالفت کی وہ ان کے ساتھ نہیں ہے۔ سیّدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنِّي فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ ، مَنْ مَرَّ عَلَيَّ شَرِبَ ، وَمَنْ شَرِبَ لَمْ يَظْمَأْ أَبَدًا ، لَيَرِدَنَّ عَلَيَّ أَقْوَامٌ أَعْرِفُهُمْ وَيَعْرِفُونِي ، ثُمَّ يُحَالُ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ. فَأَقُولُ : إِنَّهُمْ مِنِّي ، فَيُقَالُ : لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ ، فَأَقُولُ: سُحْقًا ، سُحْقًا))[2]

---

[1] سنن ابن ماجه، كتاب الفتن، رقم: ۳۹۹۲، ۳۹۹۳. علامہ بوصیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ سند ''صحیح'' ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

[2] صحيح بخاري، كتاب الرقاق، رقم:۶۲۱۲۔ صحيح مسلم، كتاب الفضائل، رقم:۲۲۹۰، ۲۲۹۵، عن سهل بن سعد رضی اللہ عنہ

''میں تمہارا حوض پر انتظار کروں گا جو میرے پاس آئے گا وہ (پانی) پیئے گا، اور جس نے ایک دفعہ پانی پی لیا وہ کبھی پیاسا نہیں ہوگا۔ میرے پاس کچھ ایسے لوگ بھی آئیں گے جن کو میں پہچانتا ہوں گا، اور وہ مجھے پہچانتے ہوں گے، پھر میرے اور ان کے درمیان پردہ حائل کر دیا جائے گا تو میں کہوں گا: یہ میری اُمت میں سے ہیں، تو کہا جائے گا: آپ نہیں جانتے کہ انھوں نے آپ کے بعد کیا کیا بدعات دین میں داخل کر دی تھیں) تو میں کہوں گا، دوری ہو دوری ہو، یعنی ان کو لے جاؤ، مجھ سے دور لے جاؤ۔''

(غور کیجیے! کہ) یہ مسلمان ہیں لیکن ان کو حوض سے واپس دھکیل دیا جائے گا۔ کیونکہ یہ اس عقیدہ ومنہج اور اعمال کو چھوڑ چکے تھے جس کو اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کے دل پر صرف اس لیے نازل کیا تاکہ اس پر چلا جائے۔

مذکورہ آیت کریمہ کا دوسرا معنی ایک امیر پر اتفاق کر لینا ہے، اس کی دلیل نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے:

((ثَلَاثٌ لَا يَغِلُّ عَلَيْهِنَّ قَلْبُ امْرِىءٍ مُسْلِمٍ، إِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلّٰهِ، وَالنُّصْحُ لِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ، وَلُزُوْمُ جَمَاعَتِهِمْ.))①

''تین چیزیں ایسی ہیں جن پر مسلمان بندے کا دل خیانت وبخل نہیں کرتا، عمل کو خالص اللہ کے لیے کرنا، اور مسلم حکمرانوں کی نصیحت کو قبول کرنا، اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ منسلک رہنا۔''

دوسرے معنی کے لحاظ سے مسلمانوں کا غلبہ، ان کی تمکنت اور عزت اس وقت تک ممکن نہیں کہ جب تک وہ ایک امیر پر متفق ومتحد نہ ہو جائیں، جب کہ پہلے معنی کے لحاظ سے تو ایک اکیلا بندہ بھی جماعت ہو سکتا ہے کہ جب وہ اکیلا ہی اس طریقہ ومنہج اور عقیدہ پر ہو، جس پر نبی کریم ﷺ، اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تھے۔

① سنن ابن ماجة، المقدمة، رقم: ٢٣٠، عن زيد بن ثابت ـ سلسلة الأحاديث الصحيحة، رقم: ٤٠٣.

جب لوگ ایک (امام) امیر پر متفق ہو جائیں، تو اس (امام، امیر) کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے حکم دیا کہ اگر وہ ظلم بھی کرے تو اس کے ظلم پر صبر کرو، اور اس کی مال کے ساتھ مدد کرو کیونکہ اب تم اکیلے غلبہ حاصل نہیں کر سکتے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((أعطو هم الذي لهم، وسلوا الله الذي لكم، قيل: أرأيت إن تامر علينا أمراء؟ قال: عليهم ما حملوا و عليكم ما حملتم.))[1]

''ان کو وہ دو، جو ان کے لیے ہے۔ اور جو تمہارے لیے ہے، اس کا اللہ سے سوال کرو (یعنی حکمرانوں کا حق اطاعت ادا کرو کہ جب تک وہ اللہ کی نافرمانی کا حکم نہ دیں) آپ سے کہا گیا: آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر ہم پر کوئی امیر مقرر کر دیا جائے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ان کا بوجھ ان پر ہے اور تمہارا بوجھ تم پر ہے۔''[2]

اس میں مومنین کو امیر و حکمران کے خلاف خروج و بغاوت سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ اس امیر کی وجہ سے جو فوائد حاصل ہو رہے ہیں وہ ان مفاسد سے کہیں زیادہ ہیں جو اس امیر و حکمران کی وجہ سے پیدا ہو رہے ہیں۔ اس حدیث کے تناظر میں بہتر اور صحیح یہ ہے کہ ہم ان تنظیموں اور پارٹیوں سے بچیں جو ڈیموکریسی (جمہوریت) کی طرف بلاتی ہیں۔

ڈیموکریسی کی جمہوریت پسند افراد نے بنیاد رکھی ہے۔ (اس نظام کے حامیوں) کا کہنا یہ ہے کہ آج کے اس دور میں ڈیموکریسی ہی مسلمانوں کے لیے بہتر ہے کیونکہ اس وقت مسلم آبادیاں مظلوم ہیں۔ دوسرا یہ کہ حاکم (امیر) اپنی سوچ و من مانی کے ذریعے فیصلے کرتے ہیں نہ کہ شریعت الٰہی کے لحاظ سے۔ ان کے ذہن کے مطابق حکام کے جبر و استبداد کی بنسبت

---

[1] صحيح بخاري، رقم: ۱۸۶۴۔

[2] جس بات میں اللہ کی نافرمانی ہو اس میں مخلوق کی فرماں برداری نہیں کی جا سکتی، اور اگر حکمران تمہارا حق ادا نہ کریں تو اپنے حقوق کے بارے میں اللہ سے دعائیں کرو۔ (مترجم)

(یہ نظام) اچھا اور کم نقصان دہ ہے۔ یہ ان کی بہت بڑی غلطی ہے اور اس طریقۂ اصلاح سے ناواقفیت ہے جس پر اس اُمت کے علماء کا چلنا ضروری ہے۔ بھلا کیا یہ اصلاح ہے کہ اُمت کے حالات کی اصلاح ودرستگی کے لئے مغربی طریقے درآمد کیے جائیں کیا اس طریقے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے؟

پھر ڈیموکریسی کا کیا معنیٰ ہے؟ اس کے مفہوم میں یہ ہے کہ پبلک پبلک پر حکومت کرے جو کہ اللہ کے ساتھ کفر ہے کہ ایک (انسانی) گروہ وجماعت ایک دستور وآئین بنائے، اور خود ہی اس کے مطابق فیصلے صادر کرے۔ اور یہی طاغوت کے ذریعے فیصلہ کرنا ہے۔ [1]

یہ اس منہج کی ایک خرابی ہے۔ دوسرا یہ کہ اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ کا حق جو اس کے بندوں پر ہے، وہ ضائع ہوجاتا ہے۔ پس پارلیمانی نظام (ڈیموکریسی) کے ذریعے فیصلہ کرنا ''رجوع الی اللہ ورجوع إلی الرسول'' کے یکسر منافی ہے۔ [2]

---

[1] جس طرح کہ قرآن میں ہے:

(اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ۭ)(النساء:٦٠)

''اے نبی! آپ ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اس چیز پر جو آپ پر نازل ہوئی ہے، اور جو آپ سے پہلے نازل ہوئی، دونوں پر ایمان لائے ہیں پھر وہ چاہتے ہیں کہ وہ اپنے فیصلوں کو طاغوت کی طرف لے جائیں۔''

اس موضوع کی مزید تفصیل کے لیے الشیخ محمد بن ابراہیم بن عبداللطیف آل الشیخ کی کتاب ''تحکیم القوانین'' دیکھئے۔ (از مترجم)

[2] اس بات کی طرف قرآن کی اس آیت میں اشارہ ہے:

(يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ)(النساء:٥٩)

''اے ایمان والو! اللہ، رسول اور اپنے اولی الامر حکمرانوں کی اطاعت کرو، اگر تمہارا آپس میں کسی بات پر اختلاف ہوجائے تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو، اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔''

اور اس مغربی نظام کے ذریعے فیصلہ کرنے کے ساتھ کتاب اللہ اور سنت رسول کا ترک (یعنی چھوڑنا) لازم آتا ہے۔ اس سے رافضی اور مسلمان، یہودی اور عیسائی، سب میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔ اور اسی سے اللہ کے حق کا ضیاع بھی لازم آتا ہے، جو اللہ کا بندوں پر ہے۔

نامعلوم کس وجہ سے ان کو پارلیمانی نظام (ڈیموکریسی) اچھا لگتا ہے؟ وہ کہتے ہیں کہ اس نظام کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ایک ہی حکمران ہمیشہ حکومت میں نہیں رہتا، بلکہ ایک حکمران ایک معینہ مدت تک حکومت کرتا ہے، اس کے بعد دوسرا حکمران آجاتا ہے۔ اس طرح یہ حکمران مال و دولت ہتھیا نہیں پاتے۔ اس طرح انھوں نے صرف مال و حکومت اور اس جیسے امور کو دیکھا اللہ کے حق کی طرف توجہ نہیں دی۔

اس نظریہ میں مغربی نظام کے دلدادہ، اور بعض اسلامی عمل سے نسبت رکھنے والے شریک ہیں۔

بلاشبہ اسلام نے حاکم اور رعایہ دونوں کے حقوق کا تعین کیا ہے، جو موجودہ جمہوریت (ڈیموکریسی) سے میل نہیں کھاتے جو اسلام سے فیصلہ نہیں کرتے۔

اسلام نے کوئی ایسی شرط نہیں لگائی کہ ایک حکمران اتنی مدت تک ہی حکومت کرے گا۔ بلکہ اسلام کے زمانہ اوّل ہی سے حکومت، خلافت کے طرز پر مکمل ہوتی ہے (یعنی ایک خلیفہ کی وفات کے ساتھ ہی اس کی حکومت ختم ہوتی ہے) اور (اسلامی طرزِ حکومت میں) حاکم اللہ کی طرف سے مقرر ہوتا ہے کہ وہ رعایہ میں عدل وانصاف کرے۔

ایک اہم چیز جس کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے وہ یہ کہ معاشرہ کی اصلاح صرف حاکم کے صحیح وصالح ہونے پر موقوف نہیں بلکہ اسی طرح رعایا کی اصلاح سے بھی متعلق ہے۔ کیونکہ حاکم محض اس معاشرے کا ایک فرد ہے۔ اگر پورا معاشرہ صحیح وصالح ہوگا تو لامحالہ حاکم بھی صحیح وصالح ہوگا۔ اور اگر معاشرے کی اکثریت فاسق وفاجر اور گنہگار ہوگی تو حاکم بھی ایسا ہی ہوگا۔ جس طرح کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

(وَكَذَٰلِكَ نُوَلِّي بَعْضَ الظَّالِمِينَ بَعْضًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿١٢٩﴾)

(الانعام:۱۲۹)

''اسی طرح ہم بعض ظالموں کو بعض کا دوست بنا دیتے ہیں، اس چیز کے بدلے جو وہ کمایا کرتے ہیں۔''

سلف صالحین میں سے کسی کا قول ہے کہ: ''جیسے تم ہو گے ویسے ہی تم پر حاکم بنائے جائیں گے۔''

اور اُمت کی اقتصادی اور اجتماعی بہتری کے اسباب شریعت پر منحصر ہیں اور انہی شرعی اسباب سے اللہ کی کونی سنتیں انجام پاتی ہیں۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

(اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ)(الرعد:۱۱)

''بے شک اللہ اس وقت تک کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا، جب تک کہ وہ اس چیز کو تبدیل نہ کر دیں جو ان کے نفسوں کے ساتھ ہے۔''

(وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ۝)(النساء:٦٦)

''اور اگر یہ وہی کریں جس کی انھیں نصیحت کی جاتی ہے، تو یقیناً یہی ان کے لیے بہتر اور بہت زیادہ مضبوطی والا ہے۔''

(وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ)(الاعراف:۹٦)

''اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے واقعی ایمان لے آتے، اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم ان پر ضرور آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے۔''

(فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝)

(الزخرف:۵۴)

''غرض اس نے اپنی قوم کو ہلکا (کم عقل) بنا دیا تو انھوں نے اس کی بات مان لی۔ یقیناً یہ سارے ہی نافرمان لوگ تھے۔''

چنانچہ اگر وہ صالح ونیک ہوتے تو فرعون ان کی عقلوں کو بے کار کر ہی نہیں سکتا تھا، حاکم کا شریعت الٰہی کو قائم کرنا اور عوام میں عدل وانصاف کرنا، یہ مسلم معاشرہ کے قیام واصلاح کی اللہ کی طرف سے ضمانت ہے، (یعنی اگر حاکم یہ دو کام کرے تو مسلم معاشرہ کی اصلاح خود بخود ہو جائے گی۔)

اور جب ہم کہتے ہیں کہ اسلام ہر زمان ومکان کے لیے موزوں اور لائق ہے، تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ اسلام ہر معاشرہ کے لئے موزوں ہے کیونکہ اسلامی معاشروں کے لئے اسلام کی موزونیت اس بات کی مرہون منت ہے کہ یہ انسانی معاشرے اسلام (عقیدہ و شریعت) کو بطورِ نظامِ زندگی اپنالیں، نہ کہ اسلام اور تعلیمات اسلام کو اپنی ثقافت اور طرزِ زندگی کے تابع کریں۔

اہل سنت والجماعت کا منشور:

((والأساس الذي تبنى عليه الجماعة، وهم أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم ورحمهم الله أجمعين، وهم أهل السنة والجماعة، فمن لم يأخذ عنهم فقد ضل وابتدع، وكل بدعة ضلالة، والضلالة وأهلها في النار))۔

’’وہ بنیادیں جس پر جماعت کو قائم وکھڑا کیا جائے وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رحمہم اللہ اجمعین ہیں۔ وہی اہل السنۃ والجماعت ہیں۔ جو ان سے (رہنمائی) نہیں لے گا وہ گمراہ، اور بدعتی ہو جائے گا۔ اور ہر بدعت گمراہی ہے، اور گمراہی اور اس کے اہل دونوں ہی جہنمی ہیں۔‘‘

امام بربہاری کا یہ کہنا کہ جس چیز پر جماعت کی بنیاد رکھی جائے گی وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رحمہم اللہ اجمعین ہیں۔ یہی بات جماعت کے معنیٰ (ومفہوم) کے بارے میں حق وصحیح ہے، یہ وہ دین ہے کہ جس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تھے، چاہے وہ عقیدہ کے لحاظ سے ہو، یا

احکامات، عبادات اور اخلاقیات اور راستہ وطرزِ عمل کے لحاظ سے۔

اس اصول پر کتاب وسنت کے دلائل

پہلی دلیل:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمانِ ذیشان ہے:

﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴾(التوبة:١٠٠)

''اور جو مہاجرین وانصار سابق ومقدم ہیں (یعنی جلدی ایمان لانے والے ہیں اعلانِ نبوت کے بعد انھوں نے پہل کی ہے) اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیروکار رہے، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ سب اللہ سے راضی ہوگئے، اور اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی جن (جنتوں وباغات) میں وہ ہمیشہ رہیں گے، یہ بڑی کامیابی ہے۔''

وجہ استدلال:

اس آیت کا وجہ استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو رہنما، مقتدیٰ اور پیشوا بنایا ہے تاکہ بعد میں آنے والے عقیدہ وشریعت (کے احکام ومسائل میں) اور منہج وطریقہ کار میں ان کی پیروی کریں، اور ان کے پیچھے آنے والوں کی ترجمانی میں رب العزت نے یوں فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ جَاۗءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ﴾(الحشر:١٠)

''اور ان کے لیے جو ان کے بعد آئیں کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں بخش دے، اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں۔''

اور سب سے بڑی چیز جو ایمان میں داخل کرتی ہے، وہ فائدہ پہنچانے والا علم اور اعمال صالحہ ہیں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا ۖ وَّإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ ۖ)(البقرة:۱۳۷)

''پھر اگر وہ اس جیسی چیز پر ایمان لائیں جس پر تم ایمان لائے ہو تو یقیناً وہ ہدایت پا گئے۔ اور اگر وہ پھر جائیں تو محض ایک ضد میں پڑے ہوئے ہیں۔''

(اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ) اگر مشرکین اور یہود و نصاریٰ (عیسائیوں) میں سے کوئی بھی صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین جیسا ایمان لے آئے تو وہ ہدایت یافتہ ہے، اور جو ان کی مخالفت کرے وہ گمراہ ہے۔

دوسری دلیل:

(كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ۗ)(آل عمران:۱۱۰)

''تم بہترین اُمت ہو جو لوگوں کے لیے ہی پیدا کی گئی ہے کہ تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو، اور بری باتوں سے روکتے ہو، اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔''

وجہ استدلال:

اس آیت سے استدلال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں یہ گواہی دی ہے کہ وہ ہر قسم کی نیکی اور بھلائی کا حکم دینے والے، اور ہر قسم کی برائی اور خرابی سے منع کرنے والے تھے۔

اور اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے کسی سے کوئی غلطی ہوگئی تو دوسرے صحابہ نے امر

بالمعروف پر عمل کرتے ہوئے ان کو نیکی کی راہ ضرور دکھائی، اور نہی عن المنکر پر عمل کرتے ہوئے غلطی سے ضرور ٹوکا۔

تو اس سے پتہ چلا کہ صحیح فہم وفراست، سمجھ بوجھ اور نیک اعمال بلاشبہ ''معروف'' ہے، اور جو چیز ان دونوں کے خلاف ہے وہ ''منکر'' یعنی (برائی) ہے، یا تو وہ ہر اعتبار سے منکر ہے یا بعض وجوہ سے۔ لہٰذا یہ بات ناممکن ہے کہ بعد میں آنے والے تو حق کو پالیں اور پہلے والے حق سے محروم رہیں (چوک جائیں)۔

تیسری دلیل:

(وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ)(البقرة:۱۴۳)

''ہم نے اسی طرح تمہیں سب سے بہتر امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ، اور رسول تم پر گواہ ہو جائے۔''

وجہ استدلال:

اس آیت سے استدلال اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو پسندیدہ اُمت قرار دیا ہے، اور عادل بنایا ہے۔ اور یہی (اُمَّةً وَّسَطًا) کا حقیقی معنیٰ ہے کہ وہ تمام اُمتوں میں سے پسندیدہ ہیں، اور اپنے اقوال اور اعمال ونیات میں عادل وسچے ہیں۔ لہٰذا وہ اس بات کے مستحق ٹھہرے کہ قیامت کے دن پوری امت پر اللہ کے نبی ﷺ گواہ ہوں۔ اسی لیے ربّ تعالیٰ نے ان کی تعریف کی، اور ان کے ذکر کو بلند کیا، اور ان کو بعد میں آنے والوں کے لیے امام ورہنما اور پیشوا بنایا۔ اللہ رب العزت کے اس فرمان کے مطابق (وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا)(الفرقان:۷۴) ''اے ہمارے رب! ہمیں متقین کا امام بنادے۔'' کوئی بھی اس وصف، کردار وشناخت کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زیادہ مستحق نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اللہ رب العزت

نے اُن کو پاک بنایا ہے، اوران کی خود تعریف کی ہے۔ [1]

چوتھی دلیل:

(قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٠٨﴾) (یوسف:۱۰۸)

''آپ کہہ دیجیے کہ میری راہ یہی ہے، میں اور میرے فرمانبردار پورے یقین و اعتماد کے ساتھ اللہ کی طرف بلارہے ہیں، اور اللہ پاک اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔''

وجہ استدلال:

اس آیت سے استدلال کچھ اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کی خبر دی ہے کہ جو اس کی اتباع کرے وہی یقین واعتماد اور کامل بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف بلائے گا۔ اور جو اللہ کی طرف یقین واعتماد کے ساتھ بلائے اس پر ان کی اتباع و پیروی کرنا واجب ہے، کیونکہ جنوں کی بات نقل کرتے ہوئے رب ذوالجلال والاکرام کا فرمان ہے:

(يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ) (الاحقاف:۳۱)

''(تو قرآن سننے والے جن بولے) اے ہماری قوم! اللہ کے بلانے والے کا کہا مانو، اور اس پر ایمان لاؤ۔''

---

[1] **نوٹ:**..... شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: (امۃً وسطا) کا طریقہ یہ ہے کہ عقیدہ وعمل اور بات چیت کے لحاظ سے اس چیز کا اہتمام کریں، جس پر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تھے، (امۃً وسطا) کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ اس چیز کو حلال قرار دیا جائے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام کہا ہے، اور گانے (سگریٹ، بیڑی، پان، نسوار، پنی، چرس، افیون، بھنگ وغیرہ) فجور وخرافات کو مباح وحلال سمجھیں، یہ (امۃً وسطا) کا عمل نہیں، بلکہ یہ تو اس کے برعکس ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔

اور اس لیے بھی کہ جو اللہ کی طرف علم وبصیرت کے ساتھ بلائے گا، وہ حق کو اچھی طرح جانتے ہوئے اس کی طرف بلائے گا۔ اور عقیدہ وشریعت اور منہج وطریقہ کار کے لحاظ سے دین کی طرف دعوت دینا یہی تو (دعوۃ الی اللہ) ہے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہوئے دعوت الی اللہ کا کام سرانجام دیا، لہٰذا جب وہ اللہ کی طرف دعوت دیں تو ان کی پیروی بھی لازم ہے۔

پانچویں دلیل:

حدیث مبارک ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((خير أمتي القرن الذي بعثت فيهم، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم.))[1]

''سب سے بہتر زمانہ وہ ہے جس میں میں بھیجا گیا ہوں، پھر ان لوگوں کا زمانہ جو اس زمانہ کے بعد ہوں گے، پھر ان کے بعد والے۔''

وجہ استدلال:

اس حدیث سے استدلال اس طرح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا، مطلق طور پر ہر لحاظ سے بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے تو یہ چیز اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اس زمانہ کو خیر وبرکت کے ہر کام ومعاملہ میں مقدم رکھا جائے۔ ورنہ اگر زمانہ نبوی بعض لحاظ سے بہتر ہوگا اور بعض لحاظ سے نہیں تو اس دور کے لوگ مطلق طور پر ''خیر القرون'' نہ ہوں گے۔

چھٹی دلیل:

سیّدنا ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

((صَلَّيْنَا الْمَغْرِبَ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ ثُمَّ، قُلْنَا: لَوْ جَلَسْنَا حَتَّى

[1] صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، رقم: ٢٥٣٣، ٢٥٣٤، ٢٥٣٥، ٢٥٣٦، عن عبدالله عمر، وابى هريرة، وعمران بن حصين وعائشة رضي الله عنهم.

نُصَلِّيَ مَعَهُ الْعِشَاءَ، قَالَ: فَجَلَسْنَا فَخَرَجَ عَلَيْنَا، فَقَالَ: مَا زِلْتُمْ هَاهُنَا؟ قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللهِ! صَلَّيْنَا مَعَكَ الْمَغْرِبَ، ثُمَّ قُلْنَا: نَجْلِسُ حَتَّى نُصَلِّيَ مَعَكَ الْعِشَاءَ، قَالَ: أَحْسَنْتُمْ أَوْ أَصَبْتُمْ، قَالَ: فَرَفَعَ رَأْسَهُ إِلَى السَّمَاءِ، وَكَانَ كَثِيرًا مِمَّا يَرْفَعُ رَأْسَهُ إِلَى السَّمَاءِ، فَقَالَ: النُّجُومُ أَمَنَةٌ لِلسَّمَاءِ، فَإِذَا ذَهَبَتِ النُّجُومُ أَتَى السَّمَاءَ مَا تُوعَدُ، وَأَنَا أَمَنَةٌ لِأَصْحَابِي فَإِذَا ذَهَبْتُ أَتَى أَصْحَابِي مَا يُوعَدُونَ، وَأَصْحَابِي أَمَنَةٌ لِأُمَّتِي، فَإِذَا ذَهَبَ أَصْحَابِي أَتَى أُمَّتِي مَا يُوعَدُونَ.))[1]

''ہم نے ایک دن آپ ﷺ کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی تو ہم نے کہا: کیوں نہ ہم بیٹھ جائیں، اور آپ ﷺ کے ساتھ نماز عشاء بھی پڑھ لیں تو ہم بیٹھ گئے، چنانچہ آپ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ تم کب سے یہاں پر ہو؟ ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم نے آپ کے ساتھ مغرب پڑھی، پھر ہم نے کہا کہ بیٹھ جاتے ہیں، یہاں تک کہ آپ کے ساتھ نمازِ عشاء بھی پڑھ لیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے اچھا کیا ہے، اور تم نے (اجر) کو پالیا ہے، اور آسمان کی طرف سر کو اُٹھایا، اور آپ ﷺ اکثر آسمان کی طرف سر کو اٹھایا کرتے تھے۔ پھر فرمایا کہ ستارے امن ہیں آسمان کے لیے، جب ستارے چلے جاتے ہیں تو آسمان پر وہ چیز آجاتی ہے جس کا اس کو وعدہ دیا گیا ہے۔ میں امن ہوں اپنے صحابہ کے لیے، اور جب میں چلا جاؤں گا تو صحابہ پر وہ چیز آجائے گی، جس کا انھیں وعدہ دیا گیا ہے۔ اور میرے صحابہ امن ہیں میری اُمت کے لیے، جب وہ چلے جائیں گے تو اُمت پر وہ چیز آجائے گی، جس کا ان کے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے۔''

[1] صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، رقم:۲۵۳۱.

(یعنی فتنے اور آزمائشیں)

وجہ استدلال:

اس حدیث سے استدلال یہ ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بعد میں آنے والوں سے وہی نسبت رکھی ہے جو آپ کی نسبت اپنے صحابہ سے ہے اور ستاروں کے نسبت آسمان سے۔ اس تشبیہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اُمت پر واجب ہے کہ وہ صحابہ کرام سے ہدایت حاصل کریں جس طرح انھوں نے اللہ کے نبی ﷺ کی پیروی کی، اور ہدایت حاصل کی۔ اور اس طرح جیسے اہل دنیا ستاروں کے ذریعے راستہ معلوم کرتے ہیں، اس طرح اہل ایمان کو چاہیے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ذریعے صراطِ مستقیم کی طرف راہ پائیں، اور جس طرح ستارہ اس بات کی علامت ہوتا ہے کہ ابھی رات باقی ہے، اور آسمان سلامت ہے، اسی طرح صحابہ کرام کا وجود اس بات کی ضمانت ہے کہ ابھی شر وفساد اور اس کے اسباب وقوع پذیر نہیں ہوئے۔ اور اگر بالفرض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دین کے کسی معاملہ میں غلطی کھا جائیں، اور بعد میں آنے والے اس خطاء وغلطی سے بچ جائیں تو پھر یہ بعد میں حق سے سرفراز ہونے والے صحابہ کے لیے امن وضمانت ہوتے نہ کہ صحابہ کرام اُن کے لیے۔ اور یہ بات ناممکن ومحال ہے۔

ساتویں دلیل:

سیّدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ مِنْ بَعْدِي تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحَدَّثَاتِ الْأُمُوْرِ.))[1]

''تم پر میری سنت وطریقہ کار پر چلنا لازم ہے، اور میرے بعد میرے ہدایت

---

[1] مسند أحمد: ۴/۱۲۶، ۱۲۷۔ سنن ابوداؤد، کتاب السنة، رقم: ۴۶۰۷۔ سنن ترمذي، کتاب العلم، رقم: ۲۶۷۶۔ سنن ابن ماجه، رقم: ۴۲۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

یافتہ خلفاء راشدین (خلفاء اربعہ، ابوبکر، عمر، عثمان، وعلی رضی اللہ عنہم اجمعین) کی سنت و طریقہ کار لازم ہے، ان کو تم اپنی داڑھوں کے ساتھ مضبوطی سے پکڑے رکھو، اور تم (بدعات) دین میں نئے کام گھڑنے سے بچو۔''

وجہ استدلال:

اس حدیث سے استدلال اس طرح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی سنت کی اتباع کی طرح خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سنت کی اتباع کا حکم دیا ہے، اور پھر اس میں بہت تاکید بیان کی حتی کہ فرمایا کہ اس کو مضبوطی کے ساتھ دانتوں سے پکڑو یعنی اسی پر ڈٹے رہو۔

آٹھویں دلیل:

سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

((إِنَّ اللّٰهَ نَظَرَ فِي قُلُوبِ الْعِبَادِ ، فَوَجَدَ قَلْبَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ خَيْرَ قُلُوبِ الْعِبَادِ ، فَاصْطَفَاهُ وَبَعَثَهُ بِرِسَالَتِهِ، ثُمَّ نَظَرَ فِي قُلُوبِ الْعِبَادِ بَعْدَ قَلْبِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَ قُلُوبَ أَصْحَابِهِ خَيْرَ قُلُوبِ الْعِبَادِ فَاخْتَارَهُمْ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهِ وَنُصْرَةِ دِيْنِهِ))[1]

''رب تعالیٰ نے بندوں کے دلوں کی طرف دیکھا ان دلوں میں سب سے بہتر دل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پایا تو ان کو اپنی رسالت کے ساتھ بھیجا، اس کے بعد (دوبارہ) بندوں کے دلوں کی جانب دیکھا تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل کے بعد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے دلوں کو سب سے بہتر پایا۔ پس ان کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت اور اپنے دین کی نصرت و مدد کے لیے چن لیا۔''

---

[1] مسند أحمد:١/٣٧٩۔ مسند ابوداؤد، طیالسی، رقم:٢٤٣، عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

وجہ استدلال:

اس حدیث سے اس طرح استدلال ہے کہ یہ بات ناممکن ہے کہ وہ دل حق کو پانے سے رہ جائیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے دل کے بعد تمام لوگوں کے دلوں سے بہتر ہونے کا فیصلہ دیا ہے، اور ان کے بعد میں آنے والے حق کو پا کر کامیابی سے ہم کنار ہو جائیں۔ (یہ احمقانہ سوچ ہے، اللہ تعالیٰ کے فیصلے بدلا نہیں کرتے۔)

نویں دلیل:

سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((مَنْ كَانَ مُتَأَسِّيًا فَلْيَتَأَسَّ بِأَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَإِنَّهُمْ كَانُوا أَبَرَّ هٰذِهِ الْأُمَّةِ قُلُوْبًا، وَأَعْمَقَهَا عِلْمًا، وَأَقَلَّهَا تَكَلُّفًا، وَأَقْوَمَهَا هَدْيًا، وَأَحْسَنَهَا حَالًا، قَوْمٌ اخْتَارَهُمُ اللّٰهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهِ وَ إِقَامَةِ دِيْنِهِ، فَاعْرِفُوا لَهُمْ فَضْلَهُمْ وَاتَّبِعُوا آثَارَهُمْ فَإِنَّهُمْ كَانُوا عَلَى الْهُدَى الْمُسْتَقِيمِ.))[1]

''اگر کوئی کسی کو آئیڈیل و نمونہ بنانا چاہتا ہے تو وہ محمد ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنا آئیڈیل بنائے، کیونکہ وہ دلوں کے لحاظ سے اس امت کے پاکیزہ ترین لوگ تھے، اور گہرے علم والے، ان میں تکلف بہت کم تھا، ہدایت کے لحاظ سے پختہ ترین تھے، اور اچھے حال والے تھے، یہ وہ گروہ تھا جس کو اللہ نے اپنے نبی ﷺ کی صحبت کے لیے چنا تھا، اور انھیں اپنے دین کو قائم کرنے کے لیے پسند فرمایا تھا۔ (تو پھر نتیجتاً) تم ان کی فضیلت کا اعتراف کرو، اور ان کے آثار و سیرت اور طریقہ کی پیروی کرو، وہ صحیح ہدایت اور صراط مستقیم پر تھے۔''

وجہ استدلال:

اس اثر سے استدلال اس طرح ہے کہ یہ بات ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی امت کے

---

[1] اسے امام احمد وغیرہ نے صحیح سند سے روایت کیا ہے، التمهيد، لابن عبد البر: ٢/ ٩٦۔

پاکیزہ اور نیک ترین دلوں والے اور گہرے اور پختہ علم والوں اور صحیح ہدایت والوں اور اچھے حال والوں کو احکام میں صحیح بات سے محروم رکھے، اور بعد والوں کو اس کی توفیق عطا کرے، اور ان کو صحیح راستہ دکھائے جس سے صحابہ محروم رہے (یہ نہیں ہوسکتا)۔

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''لوگ کوئی بھی بدعت ایجاد نہیں کرتے مگر (اس کے نتیجے میں) وہ چیز چلی جاتی ہے جو دلیل اور معتبر ہوتی ہے۔ (یعنی بدعت کے آجانے سے دلیل و معرفت چلی جاتی ہے، اور دیکھا دیکھی اس قوم میں بدعت رائج ہو جاتی ہے) اور سنت وہ ہے جس پر علم کے ذریعے چلا جائے (اور اس سنت کے برعکس جو چیز ہو) وہ غلطی، گمراہی اور بیوقوفی ہے۔ تو اپنے آپ کو اس چیز پر راضی کریں جس پر (قوم۔ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے آپ کو راضی کیا تھا) ایک اور فرمان ہے: وہیں رک جاؤ، جہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین رُک گئے تھے (معاملات اور احکام میں) اور وہی کہو جو صحابہ نے کہا، اور اس چیز سے خاموش رہو، جس سے صحابہ کرام نے خاموشی اختیار کی۔ (یعنی جس بارے صحابہ نے کلام نہیں کیا تم بھی نہ کرو) بے شک وہ علم کی بنیاد پر اس بات سے رکے ہیں، اور گہری نظر سے توقف اختیار کیا ہے، (جن مسائل پر تم نے کلام کیا ہے) وہ ان کو کھولنے پر زیادہ قدرت رکھتے تھے۔ اور اگر یہ فضیلت ہوتی تو وہ اس کے زیادہ مستحق تھے۔ اور اگر (بالفرض) ہدایت وہ ہے جس پر تم ہو، تو تم ان سے اس ہدایت کی طرف سبقت لے گئے ہو۔ اور اگر تم یہ کہو کہ (انھوں نے ان مسائل پر اس لیے گفتگو نہیں کی) یہ ان کے بعد پیش آئے اور گھڑے گئے ہیں۔ تو ان کو صرف اس نے گھڑا ہوگا جو ان صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے راستہ کے علاوہ راستہ پر چلنے والا ہوگا، اور اپنے آپ کو ان سے بے رغبت و بے زار سمجھنے والا ہوگا۔ یہ صحابہ کرام ان سے ہر خیر و برکت میں سبقت لے گئے ہیں۔ جناب ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ (جو امام ابوحنیفہ

رحمۃ اللہ علیہ کے استاد ہیں) فرماتے ہیں:

((لو بلغني عنهم - يعني الصحابة - أنهم لم يجاوزوا بالوضوء ظفرا ما جاوزته به، وكفى على قوم وزرا أن تخالف أعمالهم أعمال أصحاب نبيهم صلى الله عليه وسلم ﷺ.))

''اگر مجھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے یہ بات پہنچے کہ انھوں نے ایک ناخن سے زیادہ وضو نہیں کیا تو میں ان کے عمل سے تجاوز نہیں کروں گا۔ (یعنی ایک ناخن کے برابر وضوء کروں گا) اور کسی قوم کے لیے اتنا ہی گناہ کافی ہے کہ ان کے اعمال ان کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال کے مخالف ہوں۔''[1]

[1] شرح أصول اعتقاد اهل السنة، للألكائي.

عصر حاضر میں بعض دینی جماعتوں کا توحید کے فہم میں منہج سلف سے انحراف

آپ کو بہت سے ایسے لوگ ملیں گے جو کہتے ہیں کہ توحید اصل میں توحید حاکمیت، یعنی شریعت کو حدود و معاملات اور وسائل تجارت وغیرہ میں نافذ کرنا ہے۔ گویا کہ ان کے یہاں دور حاضر میں شریعت و سیاست ایک ہی چیز کے دو نام ہیں، اور شرک سیاسی شرک ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ اس توحید کے معنی میں تحریف ہے، جس توحید کا اللہ نے بندوں کو حکم دیا ہے اور اسی طرح شرک کے معنی میں بھی تحریف ہے، جس سے اللہ نے ڈرایا ہے۔ اس کے جواب تو کئی طرح سے اور بہت سارے ہیں، جن کو شمار کرنا مشکل ہے، لیکن میں چند ایک کا ذکر کرتا ہوں۔

پہلا جواب:

اس طرح کہ دعوت کا طریقہ کار ثابت ہے وہ تبدیل نہیں ہوگا۔ جب ثابت ہے تو (دعوت الی اللہ) عبادت ہے، اور عبادت کے لیے ضروری ہے کہ اس میں ان باتوں کا اہتمام کیا جائے جو شریعت میں کتاب اللہ، سنت رسول ﷺ اور حضرات خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین سے منقول اور صحیح ثابت ہیں۔ زمانوں اور افراد کے مختلف ہونے سے وہ تبدیل نہیں ہوئیں اور نہ ہوں گی۔

دوسرا جواب:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہمارے لیے بعض رسولوں کے واقعات کو بیان فرمایا ہے، سیّدنا نوح علیہ السلام سے لیکر ہمارے پیغمبر محمد ﷺ تک پیغمبروں کی جگہیں، زمانے اور

ان کی قوموں کے رہنے کے مقامات جدا جدا اور الگ ہیں، لیکن ان کی رسالت کی بنیاد اور ان کی دعوت کا ابتدائی نقطہ اللہ کی طرف سے ایک بار بھی تبدیل نہیں ہوا۔ (یعنی دعوت کی ابتداء انھوں نے ایک ہی بات سے کی ہے، اور وہ توحید ہے۔)

تیسرا جواب:

تمام انبیاء اور رسولوں علیہم السلام کی دعوت کی ابتداء ایک اللہ کی عبادت کو ثابت کرنے اور اس کے علاوہ سب کی نفی کے ساتھ ہوئی ہے، اور یہی معنیٰ ''لا الہ الا اللہ'' کا مقصود ہے۔ جیسا کہ اللہ ذوالجلال والاکرام کا فرمان ہے:

(وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿٢٥﴾)(الانبیاء:۲۵)

''تجھ سے پہلے بھی جو رسول ہم نے بھیجے ان کی طرف یہی وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ پس تم سب میری ہی عبادت کرو۔''

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تفصیل کے ساتھ یہ بات بتائی کہ نوح، ھود، صالح اور شعیب علیہم السلام نے اپنی اپنی قوم سے کہا:

(اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ)(الاعراف:۶۵)

''اسی ایک اللہ کی عبادت کرو، اس کے علاوہ تمہارا اور کوئی معبود نہیں۔''

تو مشرک سمجھ گئے کہ رسالت کا مقصود اکیلے اللہ کو ہی معبود جاننا ہے یعنی (توحید العبادۃ) اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ نے قوم عاد کے بارے میں فرمایا کہ انھوں نے کہا تھا:

(اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُنَا ۚ)

(الاعراف:۷۰)

''اے ھود! تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے تاکہ ہم اکیلے اللہ کی عبادت کریں، اور ان کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے آباؤ اجداد عبادت کیا کرتے تھے۔

اور کفارِ مکہ نے کہا:

﴿أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلَٰهًا وَاحِدًا﴾ (ص:۵)

''کیا اس (محمد ﷺ) نے اتنے سارے معبودوں کو ایک ہی معبود کر دیا۔''

اور اللہ تعالیٰ نے اس بات کو بھی بیان فرمایا ہے کہ اس اُمت کے لیے توحید اللہ کی شریعت ہے، اور توحید وہ چیز ہے جس کی سیّدنا نوح اور سیّدنا محمد ﷺ، سیّدنا ابراہیم، سیّدنا موسیٰ، سیّدنا عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کو وصیت کی گئی تھی، فرمایا:

﴿شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ﴾ (الشوریٰ:۱۳)

''اللہ نے تمہارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے جس کے قائم کرنے کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا، اور جو (بذریعہ وحی) ہم نے تیری طرف بھیجا ہے، اور جس کا تاکیدی حکم ہم نے ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ کو دیا تھا کہ اس دین کو قائم رکھنا، اس (دین) میں پھوٹ (فرقہ بازی) نہ ڈالنا۔''

وحدت واجتماعیت اور اتحاد کی دعوت بھی توحید کے ذریعے ہی ہے۔ چنانچہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِن رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ﴾ (البقرۃ:۱۳۶)

''مسلمانو! تم سب کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے، اور اس چیز پر بھی جو ہماری طرف اتاری گئی، اور جو چیز ابراہیم، اسماعیل اور اسحٰق اور ان کی اولاد پر اتاری گئی، اور جو کچھ اللہ کی جانب سے موسیٰ، عیسیٰ اور دوسرے (انبیاء علیہم السلام) دیے

گئے، ہم ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے، ہم اللہ ہی کے فرمانبردار ہیں۔''

چوتھا جواب:

بے شک انبیاء علیہم السلام کی دعوت توحید پر متفق ہے، اور احکام شریعت میں مختلف (یعنی توحید سب میں ایک ہے، اور احکام شریعت الگ الگ ہیں) اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا ﴾(المائدة:٤٨)

''تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے ایک (راستہ) دستور، اور ایک طریقہ مقرر کیا ہے۔''

اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((نحن معاشر الأنبياءِ أبناء علاتٍ ودیننا واحدٌ.))①

''ہم انبیاء کی جماعت ہیں، ہم آپس میں علاتی بھائی ہیں اور ہمارا دین ایک ہی ہے۔''

یہ تو ہوسکتا ہے کہ ایک عمل ایک شریعت میں جائز ہو، اور وہ دوسری شریعت میں ناجائز ہو تو اس لحاظ سے توحید کی تفسیر حاکمیت کے ذریعے کرنا صحیح نہیں ہے۔

پانچواں جواب:

اللہ ربّ العزت اپنے بندوں کو پیدا کرنے والا، اور ان کے احوال کو جاننے والا ہے، اور اس چیز کو بھی جانتا ہے، جو ان کے لیے ہر حال میں بہتر اور فائدہ مند ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے یہ منہج توحید، تمام رسولوں اور تمام ان لوگوں کے لیے متعین کیا، جن کی طرف یہ رسول بھیجے گئے۔ تو اب کسی انسان کے لیے یہ لائق وزیبا نہیں کہ وہ اللہ کے متعین کردہ منہج وراستے کو تبدیل کردے، یا اپنے یا کسی اور کے لیے اس منہج اور طریقہ کے علاوہ اصلاح وہدایت کی خاطر کوئی دوسرا طریقہ و منہج اختیار کرے۔

① زاد المسير، لابن الجوزی:٢/٣٧٣۔ تفسیر طبری:٥/٣٩٦۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، رقم:٢٣٦٥.

چھٹا جواب:

ہمارے لیے یہ بات بھی لائق وزیبا نہیں کہ ہم اللہ کی طرف دعوت دینے کے لیے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے طریقہ سے باہر نکلنے کو جائز اور صحیح سمجھیں۔ (یعنی دوسرا طریقہ اختیار کریں) اس بات کا سہارا لیتے ہوئے کہ اب زمانہ بدل چکا ہے، یا یہ بہانہ کریں کہ لوگ تکرار سے فائدہ اٹھا چکے، یا یہ عذر پیش کریں کہ حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ اب دعوت کے طریقہ کار کو زمانے کے تقاضے کے مطابق بدلا جائے، یا پھر یہ بات کہی جائے کہ ہماری دعوت تو مسلمانوں کو ہے اور مسلمانوں میں شرک کا وجود نہیں ہے۔ (تو اب توحید کی دعوت کس کے لیے) اس جیسے بہانے باز کی نیت کے صحیح ہونے کے باوجود یہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت ہے، اور مؤمنین کے راستہ سے انحراف ہے (دیکھئے جناب!) سیّدنا نوح علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دور، زمانہ اور جگہیں مختلف ہیں لیکن جوان کی طرف بھیجے گئے، ان کے منہج میں اصولی طور پر کوئی فرق نہیں ہے۔

دوسرا شبہ کہ زمانہ کے اور حالات کے تقاضے کے مطابق دعوت کے طریقہ کار میں تبدیلی لائی جائے، یہ بھی واضح طور پر باطل ہے۔ کیونکہ ہمارے اس زمانہ اور ہر زمانے میں جو اہم تقاضا ہے، وہ ہے جس مقصد کے لیے اللہ نے جنوں اور انسانوں کو پیدا کیا ہے، یعنی اللہ کی خالص عبادت۔ اور اس واحد مستقبل کی تیاری کرنا جس کے واقع ہونے میں کوئی شک نہیں، یعنی موت، قبر کے سوال وجواب، جزاوبدلہ، قیامت کے لیے اٹھنا اور حساب کتاب، ہر زمانہ کا تقاضا بشمول ہمارے زمانے کے۔

ساتواں جواب:

یہ بات صحیح نہیں کہ کوئی ایسا شخص جس نے اپنے دن اور راتیں دعوت الی اللہ میں لگا رکھے ہیں وہ یہ سمجھے کہ اب مسلمانوں کو توحید کی طرف بلانے اور شرک سے ڈرانے کی ضرورت نہیں، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری لمحات اس طرح تھے جس طرح بعثت (یعنی رسالت ملنے کے وقت تھے) شیخین نے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے

روایت کیا ہے کہ جب آپ ﷺ کی وفات کا وقت قریب ہوا تو آپ ﷺ چادر کا کنارہ منہ پر ڈالنے لگے، اور جب دم گھٹنے لگا تو اس کو اپنے چہرے مبارک سے ہٹایا اور فرمایا:

((لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى اليَهُودِ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ.))[1]

''یہود ونصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو کہ انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔''

آپ ﷺ نے اپنی اُمت کو قبر پرستی سے ڈرایا۔ یہ آپ ﷺ کی آخری وصیت تھی، جو آپ نے اپنے اہل بیت (گھر والوں) اور اپنے خلفاء کو کی، جو کہ مسلمانوں کے لیے تا قیامت اُسوہ ونمونہ ہیں۔

آٹھواں جواب:

کسی مسلمان کے لیے یہ بات بھی جائز نہیں کہ مسلمانوں کے درمیان شرک عام ہونے کو اس لیے قابل اعتذار سمجھے کہ یہ ان میں نیک نیتی، اور تقرب الی اللہ کے نام پر پھیلا ہے، یا پھر جہالت کی بنیاد پر۔ کیونکہ اللہ نے ابتدائی مشرکین کی ایسی ہی صفات کی مذمت کی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں فرمایا:

(اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ۝۳۰)(الاعراف:۳۰)

''ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو دوست بنالیا ہے، اور خیال یہ رکھتے ہیں کہ وہ سیدھے راستے پر ہیں۔''

(وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۭ)(الزمر:۳)

[1] صحيح الجامع الصغير، رقم:۵۱۰۸۔ صحيح مسلم، كتاب المساجد، رقم:۵۳۱.

''اور جن لوگوں نے اس (اللہ) کے سوا اور حمایتی بنا رکھے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ (بزرگ) اللہ کی نزدیکی و قرب کے مرتبہ تک ہماری رسائی کر دیں۔''

(قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ﴿١٠٣﴾ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ﴿١٠٤﴾)

(الکھف: ۱۰۳، ۱۰۴)

''کہہ دیجیے کہ اگر (تم کہو تو) میں تمھیں بتادوں کہ باعتبار اعمال سب سے زیادہ خسارے میں کون ہیں؟ وہ ہیں کہ جن کی دنیاوی زندگی کی تمام تر کوششیں بے کار ہو گئیں، اور وہ اس گمان میں رہے کہ وہ بہت اچھے کام کر رہے ہیں۔''

نواں جواب:

اس بات کا اعتراف کیے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ دورِ حاضر کے مسلمان اور اس کی عبادت میں شرک رچا بسا ہوا ہے اور زیادہ تر مسلمان یا تو وہ خود اس کے مرتکب اور اس میں ملوث ہیں، یا پھر وہ شرک کرنے والوں کو اس سے ڈرا نہیں رہے۔ اور انھی میں اکثر خطباء، واعظین اور وہ لوگ ہیں جن کو مفکرین اسلام کہا جاتا ہے، یا تو وہ حقیقتِ حال سے ہی بے خبر ہیں، یا پھر وہ اپنی پارٹی و جماعت کے شہرت کے ماند پڑ جانے سے ڈرتے ہیں کہ (اگر وہ شرک کی مذمت کریں گے، اور اس کی حقیقت کو واضح کریں گے تو اہل شرک ان کے اور ان کی پارٹی و جماعت کے مخالف ہو جائیں گے اور جو وہ دعوت دینا چاہتے ہیں، نہیں سنیں گے) اور ''خیر القرون'' کے بعد اکثر لوگوں کا دین بدعت ہی ہے (یعنی اکثریت اہل بدعت کی ہے) اسی طرح اللہ کی عبادت، اور تقرب و نزدیکی کے نام سے بت پرستی مسلم ممالک میں لوٹ آئی ہے، اور اللہ اور اس کے نبیوں اور نیک لوگوں کی محبت کے نام پر شرک واپس آ گیا ہے۔

چنانچہ شیطان نے دھوکہ دیتے ہوئے اس بت پرستی کو خوب صورت انداز میں پیش کیا، اور انھوں نے ان چیزوں کا نام جن کی پوجا کرتے ہیں، بت رکھنے کی بجائے ان بتوں کے

نام انھوں نے مقدس قبریں، زیارت گاہیں، مشاہد، مزارات رکھا۔ اور وہاں ایسا خشوع و خضوع اور عاجزی وانکساری ہونے لگی جو اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر کے اندر بھی نظر نہیں آتی، جو مقامات شرک سے بالکل پاک اور صاف ہیں۔

اور بعض نام نہاد مسلمان اپنے اپنے ملکوں میں قبروں کا طواف کرتے ہیں، اور قبر والوں کے لیے جانور ذبح کرتے ہیں اور کچھ بد بخت تو ایسے ہیں کہ جو جنوں کے شر سے بچنے کے لیے ویران گھروں اور نئے گھروں کی چوکھٹ پر جانور ذبح کرتے ہیں، اور کچھ لوگ مصیبتوں سے بچنے کے لیے نئی گاڑی کے آگے جانور ذبح کرتے ہیں، اور کچھ لوگ شادی کی رات دروازے کے سامنے جوتی کا ٹکڑا اور تھوڑا سا آٹا رکھتے ہیں، اور کچھ لوگ حسد، مصیبت اور نظرِ بد سے بچنے کے لیے گاڑی کے پیچھے ہاتھ اور آنکھ کی تصویر بناتے ہیں (اور بعض جوتا باندھ دیتے ہیں، اور بعض کالا کپڑا) اور کچھ سرپھرے بغیر بسم اللہ کہے جانور ذبح کرتے ہیں تاکہ بچہ زندہ رہے اور لمبی زندگی پائے۔ اور بعض (بے عقل، دین سے دور) نجومی کے پاس جاتے ہیں، اس سے اپنی قسمت و مستقبل کا حال پوچھتے ہیں، اور پھر جو کچھ وہ بتاتے ہیں اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ [1]

حالانکہ یہ سب شرک ہے، اور اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِا اللهِ.

تو اس صورت میں کیا صرف ہمارا اسلام کا نام لیوا ہونا ہمیں شرک اور اس کے ہولناک انجام سے بچالے گا؟ جبکہ شرک ہمارے دلوں میں، ہمارے گھروں میں حتیٰ کہ ہماری مسجدوں میں لگا ہوا ہے اور کیا ہم ظاہری چمک اور محض تمنا کرنے سے ایمان والے باقی

---

[1] حالانکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

((من أتىٰ كاهنا أو عرافا فقد كفر بما أنزل على محمد ﷺ.))

''جو شخص نجومی کے پاس گیا، اور اس کی تصدیق کی تو اس نے اس چیز کے ساتھ کفر کیا جو محمد ﷺ پر نازل ہوئی۔''

رہیں گے؟

دسواں جواب:

(اگر شرک صرف سیاسی وحکومتی ہوتو) اللہ کے نبی ﷺ کے عیسائیوں کو دعوت دینے کے انداز کو دیکھیے، حالانکہ وہ تمام لوگ رومی حکومت کے ماتحت تھے، اور اس حکومت کے اپنے قوانین وضوابط تھے، جوکہ شریعتِ الٰہی کے مخالف مصادر میں سے بدستور ایک مصدر ہے، اور قرآن کا عیسائیوں کے ساتھ زیادہ تر نقاش ان کے عقیدہ کے بارے میں ہے جوکہ وہ سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں رکھتے تھے۔ابتداء میں ان کے حکومتی وسیاسی شرک کے بارے میں گفتگونہیں کی حالانکہ ان کا وتیرہ تو یہ تھا کہ وہ کہا کرتے تھے کہ جواللہ کے لیے ہے وہ اللہ ہی کے لیے چھوڑ دو، اور جو قیصر وکسریٰ کے لیے ہے وہ ان کے لیے ہی رہنے دو۔ یہی دین وسیاست میں فرق ہے۔

گیارھواں جواب:

یقیناً جب آپ اس مسئلے میں اسلاف کی طرزِ زندگی کی طرف دیکھیں گےتو ویسے ہی پائیں گے جو پیچھے ہم نے ذکر کیا ہے یعنی توحید کی طرف بلانے کے لیے ان کا اہتمام، اور وہ سب سے پہلی دعوت دعوتِ توحید پیش کرتے تھے۔تو بھلا کس نے کہا کہ عوام کو بلا عقیدہ اکٹھا کرنا اسلامی کام ہے؟ اللہ کی قسم! یہ جملہ صرف مغربی افکار کے حامل لوگ (جو کہ سیکولر لوگ ہیں) ہی کہہ سکتے ہیں۔(اور اگر ان کے علاوہ کوئی اور بھی ہے) تو اس کو اللہ سے ڈرنا چاہیے، کہ وہ اُمت محمدیہ کو ان کے دین سے نہ پھیرے، اور ان کو سیاسی، بشری تصور کی وجہ سے ان کے نبی محمد ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے راستہ سے نہ روکے یعنی اپنی سیاست چمکانے کے لیے اور اعتدال پسند اور روشن خیال کہلوانے کے لیے اور جمہوریت کو ثابت کرنے کے لیے اُمت محمدیہ کو دین (توحید) سے دور نہ کردے۔

بارھواں جواب:

بہت عرصہ سے عالم اسلام میں کلمہ توحید کے معنی سے ناواقفیت، اور دین حق کے قاعدہ ''لا اله الا الله'' سے جہالت کی بناء پر فساد اپنی جڑیں مضبوط کر چکا ہے، اور مسلمانوں کی اکثریت یہ سمجھتی ہے کہ مقصدِ توحید کی ابتداء وانتہاء یہ ہے کہ اللہ کو اکیلا رزق دینے والا، پیدا کرنے والا، زندہ کرنے اور مارنے والا مانا جائے یعنی صرف اور صرف توحیدِ ربوبیت کو ہی توحید سمجھ بیٹھی ہے۔ اگر یہ بات صحیح ہوتی تو مشرکین قریش کلمہ توحید کو ٹھکرا کر یہ نہ کہتے:

﴿أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلَٰهًا وَاحِدًا﴾ (ص:۵)

''کہ محمد نے بہت سارے معبودوں کو ایک ہی معبود بنا دیا ہے۔''

تیرھواں جواب:

ثقافت یافتہ مسلمانوں کی اکثریت یہ سمجھتی ہے کہ اللہ پر ایمان لانے کا جو سب سے پہلا مقصد ہے، وہ یہ ہے کہ اللہ کو حاکمیت میں اکیلا جاننا (یعنی فیصلوں اور حکومتی معاملات میں) اگر معاملہ اس طرح ہوتا تو کفارِ قریش اسے نہ ٹھکراتے۔

اور یہ بات (کہ عبادت کے معاملات سے ہٹ کر صرف حکومت کے معاملات میں اللہ کو حاکم ماننا) مشرکین مکہ کے لیے اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے مال ودولت اور حکومت پیش کرنے، اور ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کے مقابلہ میں میدانِ جنگ میں اترنے سے زیادہ آسان تھی۔ (اور اگر معاملہ یہی ہوتا تو کسی مال وبادشاہت کی بابت نہ اللہ کے رسول ﷺ ان سے جھگڑتے اور نہ ہی وہ اللہ کے رسول ﷺ سے جھگڑتے۔) اللہ کے رسول ﷺ اور مشرکین مکہ کا اختلاف مال اور حکومت کے بارے میں نہ تھا، لیکن جو شخص کتاب وسنت میں غور وتدبر کرے گا اور آپ ﷺ کی سیرت کو پڑھے گا، اس کے لیے شک کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہے گی کہ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کا معنی ان سب چیزوں سے بلند وبالا ہے، جو یہ سمجھ رہے ہیں۔

خبردار! (لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ) کا معنی ہے ''اللہ کو اکیلا معبود جاننا اور اس کے علاوہ تمام معبودوں کا انکار کرنا۔'' یقیناً ابوجہل اور دوسرے مشرکین عرب نے اس معنی کو سمجھا اور کلمہ

توحید کو ٹھکرا دیا کیونکہ کلمہ توحید نے ان سب چیزوں کو ختم کر دیا تھا، جس پر انھوں نے اپنے آباء واجداد کو پایا تھا، وہ خالق ومخلوق کو عبادت میں جمع کرنا تھا (یعنی دونوں کی عبادت کرنا اور ان دونوں کو ایک دوسرے کا شریک بنانا)۔

چودھواں جواب:

اگر (الحاكمية) حاکمیت کے تمام معنوں کو لیا جائے تو ضروری ہے کہ وہ دینی اور دنیاوی دونوں قسم کے معاملات کو شامل ہو، اور نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا، اور اللہ کی طرف بلانا اور تبلیغ کرنا یہ عبادت ہے لیکن قبولیت عبادت کی دو ضروری شرطیں ہیں: (1) اخلاص۔ (2) وہ عمل جو سنت کے مطابق ہو۔

اگر کوئی کام خالصتاً اللہ کے لیے ہو لیکن نبی کریم ﷺ کے طریقہ وسنت کے موافق نہ ہو تو وہ عمل قابل قبول نہیں، بلکہ مردود ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

((مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ.))[1]

''جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا قول وعمل نہ ہو تو وہ مردود اور نا قابل قبول ہے۔''

اسی طرح بہت سارے صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ قول مشہور ہے:

((اِقْتِصَادٌ فِيْ سُنَّةٍ خَيْرٌ مِنْ اجْتِهَادٍ فِيْ بِدْعَةٍ))[2]

''سنت پر میانہ روی سے عمل کرنا بدعت کے مطابق بہت زیادہ عمل کرنے سے بہتر ہے۔''

لہٰذا ہم ان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اس معاملہ (توحید) میں، اور اس کے علاوہ دیگر معاملات میں اللہ کو فیصل مانیں، اور ہم زیادہ حقدار ہیں کہ شریعت اسلامیہ کے ذریعہ فیصلے

---

[1] صحيح بخاري، كتاب الصلح، رقم: ٢٥٥٠۔ صحيح مسلم، كتاب الأقضية، رقم: ١٧١٨،عن عائشه رضی اللہ عنہا

[2] السنة۔ للمروزی، رقم: ٧٧۔ مستدرک حاکم:١۔١٨٤۔ كتاب الزهد، لأحمد، ص:١٥٩۔ سنن الكبرى، للبيهقي:١٩/٣۔ اعتقاد أهل السنة، للالكائي، رقم:١٣، ١٤، ١١٤.

کریں مگر یہ بات ہرگز صحیح نہیں کہ ہم لوگوں کو شریعت کے حکم ماننے کے لیے بلائیں، اور ہم خود سیاسی وفکری قوانین کو حاکم مان کر اس کے مطابق فیصلے کریں۔ اگر ہم نے شریعت الٰہی کو حاکم نہ بنایا، اور اس کے مطابق فیصلے نہ کیے تو ہمارا یہ عمل مردود ہے، اگرچہ ہم مخلص ہی کیوں نہ ہوں۔

○ **امام بربہاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:**

((وهم أهل السنة والجماعة، فمن لم يأخذ عنهم، فقد ضل وابتدع، وكل بدعة ضلالة، والضلالة وأهلها في النار.))

''صحابہ کرام ہی اہل السنہ والجماعت ہیں، جو ان سے دین کے معاملات میں رہنمائی نہیں لیتا، وہ گمراہ ہوگیا، اس نے بدعت گھڑی ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے، اور گمراہی اور گمراہ دونوں جہنمی ہیں۔''

حافظ ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''تمام علوم سے (علم نافع) فائدہ مند علم کتاب وسنت کی نصوص (آیات واحادیث) کو یاد کرنا اور ان کے معانی کو سمجھنا ہے۔ اور قرآن کی آیات کے معانی میں جو چیز صحابہ کرام وتابعین عظام اور تبع تابعین سے منقول اور ثابت ہے، اس پر اکتفا کرنا۔ جو ان سے حلال اور حرام، زہد وتقویٰ اور پرہیز گاری اور معرفت الٰہی وغیرہ کے مسائل ملتے ہیں، اس میں بھی یہی طریقہ اپنانا اور ان میں پہلے نمبر پر یہ کہ ان میں سے ضعیف کو صحیح سے الگ کرنا، دوسرے نمبر پر انہی معانی پر اکتفا کرنے کی کوشش اور ان کے معانی کو سمجھنا، یہ چیز اس شخص کے لیے کافی ہے، جس نے علم نافع کو اپنا مقصود بنایا اور اس کو سمجھنے کی کوشش کی اور اس

میں مشغول رہا۔ تو جس نے اس پر اکتفاء کیا اور اپنی نیت کو اللہ کے لیے خالص رکھا، اور اس سے مدد طلب کی تو اللہ اس میں اس کی مدد کرے گا، اور اس کی رہنمائی کرے گا، اور ہدایت عطا فرمائے گا (اس کو) یہ علم سمجھنے کی توفیق دے گا، اور اس علم کو اس کے دل میں ڈال دے گا تو اس وقت علم کا خاص فائدہ حاصل ہوگا، اور وہ اللہ جل تعالیٰ کا ڈر ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

(اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا)(فاطر:۲۸)

''اللہ کے بندوں میں سے ڈرنے والے علماء ہی ہیں۔''[1]

اور جو شخص سلف کے کلام سے منہ موڑتا ہے، اور ان کی کتب و تالیفات سے علم حاصل نہیں کرتا تو وہ شخص ایسی تمام قسم کی بھلائیوں سے محروم رہے گا۔ اور جو سلف کے بعد آنے والوں کی پیروی کرے گا، جس طرح وہ باطل پرست سنت رسول کی مخالفت میں پڑ گئے یہ بھی انھیں کی روش پر چل پڑے گا۔

---

① فضل علم السلف علی علم الخلف، لابن رجب:۴۵.

اجتہاد واستدلال میں اہل سنت والجماعت کا منہج

اولاً:...... کتاب وسنت کو مضبوطی سے تھامے رکھنا، اور دین کے اصولی (عقیدہ) وفروعی احکامات کوصرف انہی دو چیزوں سے حاصل کرنا، اور اختلاف کے وقت انہی دو (کتاب وسنت) کی طرف لوٹانا، اور ان دونوں کے مقابلہ میں عقل، رائے، قیاس، وجد، کشف اور خواب وغیرہ کو پیش نہ کرنا۔

کتاب وسنت دو ایسے ترازو ہیں جن کے ذریعے (لوگوں کے) اقوال و اعمال اور اعتقادات کوتولا جاتا ہے۔ کتاب وسنت وہ حق ہے جس کی پیروی لازم ہے، اور انھی دونوں کے ذریعے حق وباطل میں فرق اور تمیز ہوتی ہے۔ لوگوں کی اس بات کو جو کتاب وسنت کے مطابق ہوگی، قبول کرلیا جائے گا، اور جو ان دونوں کے مخالف ہوگی، وہ قائل کے منہ پر ماردی جائے گی۔ اور اہل السنہ والجماعۃ (اہل الحدیث) قرآن وسنت دونوں سے دلیل لیتے ہیں، اور ان دونوں کے درمیان کوئی فرق روانہیں رکھتے، جس طرح کہ اہل بدعت کی حالت اور ان کا وطیرہ ہے (اور اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ) حدیث قرآن کی وضاحت اور تفسیر ہے۔ حدیث عقائد میں بھی اسی طرح حجت مانی جائیگی، جس طرح احکام میں حجت مانی جاتی ہے۔

دلیل صحیح وثابت، حدیث کے ذریعے قائم ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے جو منہج سلف کے پیروکار ہیں، ان کو تم دیکھو گے کہ وہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سیکھنے کا (قصدوارادہ کرتے ہیں) اہتمام کرتے ہیں، اور صحیح وضعیف کے فرق کے بڑے حریص ہوتے ہیں۔ اسی لیے سلف نے ضعیف اور موضوع احادیث کے متعلق ایسی کتابیں لکھی ہیں جو حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معاون ہیں کیونکہ ان کا دین، عقیدہ وشریعت اور منہج اسی حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر قائم ہے، اور وہ کتابیں ہی ان کے منہج کی بنیاد ہیں۔

ثانیاً:...... کتاب وسنت کو سمجھنے کے لیے سلف صالحین (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کی طرف

رجوع کرنا، کیونکہ وہ تمام لوگوں میں سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد کو سمجھنے کے زیادہ حق دار ہیں، کیونکہ انھوں نے نزول قرآن کا زمانہ بھی پایا ہے، اور ان کی تربیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں ہوئی ہے، اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمیشہ ساتھ رہے، ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال کا پتہ تھا، اور وہ (فصیح اللسان) خوش بیان اور خوش کلام لوگ تھے۔ اور قرآن بھی انھی کی زبان میں نازل ہوا، اور خود اللہ ربّ العزت نے قرآن میں ان کو بہتر قرار دیا اور فضیلت عطا فرمائی ہے۔ تو ان کے بعد قیامت تک آنے والے لوگوں کے لیے واجب اور لازم ہے کہ وہ انھی کی پیروی کریں، انھی سے رہنمائی حاصل کریں اور انھی کے راستہ پر چلیں (اس کے دلائل پیچھے تفصیل کے ساتھ گزر چکے ہیں۔)

ثالثاً:...... اہل سنت دلیل کا التزام کرتے ہیں، اور تاویلات کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اہل سنت کے نزدیک بنیادی قاعدہ یہ ہے کہ الفاظ ظاہری طور پر جس حقیقت و معنی پر دلالت کرتے ہیں، اسی کو لینا (یعنی ظاہر الفاظ کا اعتبار کرنا) قرآن صحابہ رضی اللہ عنہم کی مادری زبان میں نازل ہوا ہے جو شخص اس کو سمجھنا چاہتا ہے وہ صحابہ کی زبانوں سے سمجھ سکتا ہے۔ (ان کے اقوال کے ذریعے)۔ قرآن کو دو طرح سے سمجھا جا سکتا ہے:

1: عربی لغت کے ذریعے۔

2: صحابہ وتابعین، تبع تابعین اور ان علماء کے اقوال کے ذریعے جو (قرآن کے) معانی کو سمجھنے اور متعین کرنے کے لیے صحابہ، تابعین کے طریقے پر ہیں۔

اور معانی قرآن وسنت کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق متعین کیا جائے گا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((فالمقصود أن ما جاء به الرسول وما أراده بألفاظ القرآن والحديث هو أصل العلم والإيمان والسعادةِ والنجاة.))[1]

''مقصود یہ ہے کہ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے (یعنی ان پر نازل ہوا) اور جو کچھ ان کا مقصد قرآن وحدیث کے الفاظ کے ساتھ تھا، وہی اصل علم وخوش بختی

[1] مجموع الفتاوی: ۱۷/ ۳۵۵.

اور نجات ہے۔''

لیکن وہ الفاظ جن کی مراد اور معانی ومطلب اللہ رب العزت نے اپنے رسول ﷺ پر واضح بیان کر دیا ہے، چاہے وہ الفاظ قرآن کے ہوں یا حدیث کے (جب نبی ﷺ نے معنی کی وضاحت کر دی) تو اب اس معنی کو سمجھنے کے لیے اہل لغت کے اقوال کی طرف رجوع اور التفات نہیں کیا جائے گا۔ اس صورت میں ان معانی کو سمجھنے کے لیے ہر حال میں اللہ کے اور اس کے نبی ﷺ کے بیان، اور وضاحت کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔

اس کی مثالیں جیسے ایمان، اسلام، کفر ونفاق، الصلوٰۃ (نماز) اور الصیام (روزہ) اور حج اور اس جیسے دوسرے الفاظ ہیں، ان سے کیا مراد ہے اس کی وضاحت اللہ کے نبی ﷺ نے تسلی بخش فرمادی ہے، جو کہ کافی وشافی ہے۔

اور اس قاعدہ کی فروعات یہ ہیں کہ اہل سنت والجماعت نے عقائد کو بیان کرنے کے لیے شرعی الفاظ پر ہی اکتفا کیا ہے۔ اور وہ اصطلاحات جو شرعی علوم کے اندر علم منطق وفلسفہ کی وجہ سے داخل ہوگئی ہیں ان کو استعمال نہ کرنا بلکہ سرے سے چھوڑ دیا ہے۔

رابعاً:...... اہل السنۃ (اہل الحدیث) کا یہ بھی منہج ہے کہ ایسے مجمل ومہمل الفاظ جن کو (اہل سنت کے علاوہ) اہل بدعت استعمال کرتے ہیں۔ ان میں جو حق وصحیح ہوتے ہیں ان کو برقرار رکھتے اور تسلیم کرتے ہیں۔ اور جو باطل وغلط ہوتے ہیں، ان کا انکار کرتے ہیں۔

ابن ابی العز الحنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((والتعبير بالألفاظ الشرعية النبوية الإلٰهية هو سبيل أهل السنة والجماعة.))

''نبوی والٰہی الفاظ کو بیان اور استعمال کرنا، اہل السنۃ (اہل الحدیث) کا منہج وطریقہ ہے۔''[1]

اسی وجہ سے عقیدہ اسلامیہ (یعنی عقیدہ توحید) کو لوگوں کے سامنے سلف صالحین رحمہم اللہ کے طرز پر قرآن وسنت کے اسلوب اور طریق کے مطابق پیش کرنا واجب اور ضروری ہے، نہ کہ ایک الگ انوکھے انداز میں بیان کرنا۔

[1] شرح عقیدہ طحاویہ: ۲۱۸، ۲۲۳۔

خامساً:...... اہل السنہ (اہل الحدیث) کا یہ بھی منہج ہے کہ کسی مسئلہ کو بیان کرنے سے پہلے یا کسی چیز پر حکم لگانے سے قبل، اس بارے میں تمام دلائل کو دیکھنا یعنی پورے قرآن اور مکمل احادیث کو دیکھنا اور جمع کرنا، پھر اس بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے موقف اور اقوال کو دیکھنا، اس کے بعد اس مسئلہ کو بیان کرنا اور اس چیز پر حکم لگانا۔ اور قرآن کی بعض آیات کو بعض (یعنی ایک آیت کو دوسری آیت) کے مخالف قرار نہ دینا، یہ تو یہودیوں کا طریقہ تھا کہ کتاب کے ایک حصہ کو مان لینا، اور دوسرے حصہ کا انکار کر دینا (تاویلات کے ذریعے) جس طرح کہ قرآن میں ذکر ہے:

(فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ۝) (النساء: ۷۸)
”پھر ان لوگوں کو کیا ہے کہ قریب نہیں کہ کوئی بات سمجھیں۔“

عقیدہ کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا منہج

1: عقائد کے بارے میں صرف قرآن وحدیث پر ہی اکتفا کرنا۔

2: اہل الحدیث (اہل السنہ) عقائد میں صحیح احادیث کو ہی حجت مانتے ہیں، اور اس بارے میں وہ متواتر اور آحاد کی تقسیم وفرق کے قائل نہیں ہیں۔ اور بعض اوقات محدثین اہل السنہ اپنی کتب میں ایسی احادیث بیان کرتے ہیں، جن میں کلام ہوتا ہے، لیکن انہیں کو بحیثیت اصل ودلیل کے ذکر نہیں کرتے، بلکہ صرف اس کا ضعف بتانے کے لیے کہ کہیں اس سے کوئی دھوکہ نہ کھا جائے، اس لیے وہ اس کو سند کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ (تاکہ ضعیف راوی سامنے مذکور ہو۔)

3: ان کا نصوص کو سمجھنا فہم صحابہ اور ان کے اقوال پر مبنی ومنحصر ہے۔

۴: عقل کو اپنا حقیقی کردار دیتے ہوئے اس چیز کو مان لینا جو وحی کے ذریعے ثابت ہو، کیونکہ دلائل کبھی سماعی ہوتے ہیں اور کبھی عقلی، جس پر شارع علیہ السلام کی تنبیہ ہوتی ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

پھر شرعی دلائل کبھی سمعی ہوں گے اور کبھی عقلی، شرعی دلیل میں یا تو یہ ہوتا ہے کہ شریعت نے کسی چیز کو ثابت کیا ہے، اور اس کی طرف رہنمائی کی ہے۔ اور کبھی شرعی دلیل کا مقصد یہ

ہوتا ہے کہ شریعت نے اس چیز کو جائز ومباح قرار دیا ہے، اور اس کی اجازت دی ہے۔

لہٰذا شرعی سمعی دلیل اس کو کہتے ہیں جس کے جاننے کا ذریعہ صرف آپ ﷺ کا اطلاع دینا اور بیان کرنا ہے۔

جبکہ شرعی عقلی دلیل یہ ہے کہ جس کی طرف شریعت نے دلالت اور رہنمائی کی ہو، اور اس پر متنبہ کیا ہو۔[1]

5: علم کلام وفلسفہ کی طرف مائل نہ ہونا، اور غیب کے معاملات میں عقل کو دخل نہ دینا۔ (جیسے جنت وجہنم، قیامت کا علم وغیرہ) اور زبانی کلامی تاویل کو چھوڑ دینا۔

6: ایک مسئلہ کے متعلق تمام دلائل کو جمع کرنا۔

اسماء وصفات کے اثبات میں اہل سنت کا منہج:

سابقہ قواعد کے ساتھ ساتھ یہ چند امور ہیں:

1: اللہ کے لیے کوئی ایسی صفت بیان نہ کرنا، جو صفت اللہ نے خود اپنے لیے، یا پھر رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے لیے بیان نہ کی ہو۔ چنانچہ اس باب میں قرآن وحدیث سے تجاوز نہیں کرنا ہے۔

2: یہ بات قطعی ہے کہ جو صفات اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے بیان کی ہیں، اس میں جمیع مخلوق کے ساتھ کوئی تشبیہ نہیں ہے۔

3: قطعی طور پر اس بات کو دل سے نکال دینا کہ صفات الٰہی کی کیفیت کو (ادراک) سمجھ میں سمویا جاسکتا ہے۔

4: بعض صفات میں بات کرنا گویا تمام صفات باری تعالیٰ میں کلام کرنے کے مترادف ہے۔

5: صفات میں کلام کرنا ذات کے متعلق کلام کرنے کی جنس سے ہے۔

6: اسماء وصفات کے متعلق شرعی الفاظ کو ہی تھامے رکھنا چاہیے، وہ کسی صفت کی اللہ سے نفی کے متعلق ہو یا کسی صفت کے اثبات کے متعلق۔

[1] درء تعارض العقل والنقل: ۱/۱۹۹۔

عقیدہ سلف صالحین رحمہم اللہ کی خصوصیات

1: سلف کا عقیدہ چشمہ صافی سے حاصل کیا ہوا ہے، وہ چشمہ قرآن وحدیث ہے جو کہ خواہشات وشبہات کے گدلے پن سے پاک ہے، اور وہ منطق وفلسفہ جیسی بیرونی اثر انداز ہونے والی غلاظتوں سے بھی پاک ہے۔

2: عقیدہ دل میں اطمینان وسکون پیدا کرتا ہے، اور مسلمان کو شکوک وشبہات سے دور کرتا ہے۔

3: یہ عقیدہ کتاب وسنت کی وجہ سے مسلمان کے موقف کو مضبوط بنا دیتا ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس میں نجات کبریٰ (بڑی نجات) ہے، اور ایک منفرد خصوصیت یہ ہے اس کو صرف وہی جان سکتا ہے، جس کے پاس یہ نعمت نہ ہو۔

4: یہ عقیدہ مسلمان کو سلف صالحین (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کے ساتھ جوڑ دیتا ہے۔

5: اس میں یقینی طور پر وہ خصوصیت ہے جس کے ذریعے اللہ راضی ہوتا ہے، اور وہ اللہ کو پسند بھی ہے۔ رب کے اس فرمان کے مطابق:

(فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٦٥﴾)

(النساء:٦٥)

"تیسرے پروردگار کی قسم! یہ ایماندار نہیں ہوسکتے، جب تک کہ تمام آپس کے اختلافات میں آپ کو حاکم وفیصل نہ مان لیں، پھر جو فیصلہ آپ کر دیں ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں۔"

یہ عقیدہ اس آیت کے تناظر میں مسلمانوں کی صفوں میں اتحاد پیدا کر دے گا، اور ان کے

کلمہ کو جمع کر دے گا، (یعنی ان کی باتوں میں پھر کوئی اختلاف نہ ہوگا) کیونکہ یہ رب تعالیٰ کے اس فرمان کو بجالانا ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾ (آل عمران:١٠٣)

''اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو، اور فرقوں میں نہ بٹ جاؤ۔''

6: جو اس عقیدہ کے ساتھ منسلک ہوگیا، اس کے لیے سلامتی ہے، اور وہ نبی ﷺ کی بشارت کا مصداق ہوگا۔ جس میں اللہ کے نبی ﷺ نے (اس گروہ کو) دنیا میں مدد وغلبہ اور آخرت میں نجات اور کامیابی کی بشارت دی ہے۔

7: اس عقیدہ کے ساتھ منسلک ہونا دین پر ثابت قدم رہنے کے اسباب میں سب سے بڑا سبب ہے۔

8: یہ عقیدہ اس کے حامل شخص کے اخلاق وسلوک کو یقینا بہت متاثر کرتا ہے۔

9: اس کے ساتھ ساتھ یہ اس کے دین پر قائم رہنے کے اسباب میں سے بہت بڑا سبب ہے۔

10: یہ اللہ کی رضامندی، اور قرب کا بھی ایک بڑا سبب ہے۔

اہل السنہ والجماعۃ کی امتیازی خصوصیات:

1: حق پر قائم رہنا، اس سے پیچھے نہ ہٹنا، جس طرح کہ خواہش پرست لوگوں کی عادت ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((وبالجملة فالثبات والاستقرار في أهل الحديث والسنة، أضعاف أضعاف ما هو عند أهل الكلام والفلاسفة.))

''من جملہ اہل الحدیث اور اہل السنہ کے اندر جو استقامت و پائیداری ہے، وہ اہل کلام وفلسفہ والوں سے کہیں بڑھ کر ہے (یعنی ان میں اتنی استقامت نہیں ہے جتنی عام اہل الحدیث کے اندر ہے)۔''[1]

[1] مجموع الفتاوی:٤/٥١.

ان کے اندر یہ استقامت، معرفت اور یقین ان کی توحید کے صحیح ہونے اور اتباع و اطاعت رسول ﷺ کی وجہ سے ہے۔شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((وَالْمَقْصُودُ: أَنَّ مَا عِنْدَ عَوَامِّ الْمُؤْمِنِينَ وَعُلَمَائِهِمْ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ مِنَ الْمَعْرِفَةِ وَالْيَقِينِ وَالطُّمَأْنِينَةِ وَالْجَزْمِ الْحَقِّ وَالْقَوْلِ الثَّابِتِ وَالْقَطْعِ بِمَا هُمْ عَلَيْهِ أَمْرٌ لَا يُنَازِعُ فِيهِ إِلَّا مَنْ سَلَبَهُ اللَّهُ الْعَقْلَ وَالدِّينَ.)) ①

''مقصد یہ ہے کہ عام مؤمن اور ان کے علماء ''اہل السنہ والجماعۃ'' میں جو یقین و معرفت، اطمینان اور حق پر یقین بالجزم اور قطعی ثابت قدمی ہے، یہ ایسا معاملہ ہے جس میں کسی کو اختلاف نہیں، ہاں، اس کو اختلاف ہوسکتا ہے، جس کی عقل ختم کردی گئ ہو، اور دین اس سے چھین لیا گیا ہو۔''

2: وہ زمان ومکان کے مختلف ہونے کے باوجود عقائد کے بارے میں متفق ومتحد ہیں۔

ابوالقاسم اسماعیل بن محمد الاصبہانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ؛

''جو چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اہل الحدیث ہی اہل الحق (حق والے) ہیں، اور حق پر ہیں۔ (وہ یہ ہے کہ) اگر ان کی کتب مصنفہ (جو انھوں نے لکھی ہیں) کا اوّل سے آخر تک مطالعہ کیا جائے، خواہ وہ قدیم (پرانے زمانے کے) اہل الحدیث کی ہوں، یا پھر زمانہ حال کے اہل الحدیث کی ہوں، باوجود اس کے ان کے شہر الگ الگ، زمانے الگ الگ، اور ان کے درمیان کی مسافتوں کا فاصلہ اتنا زیادہ ہے کہ زمانے بھر کے سفر کے بعد ان کے پاس پہنچا جائے (یعنی لمبا عرصہ) مگر عقائد کے بارے میں تم ان کو ایک ہی طریقہ اور راستہ ومنہج پر پاؤ گے، یہ ایک ہی راستے پر چلتے جاتے ہیں، اس سے ہٹتے نہیں، اور نہ ہی ادھر اُدھر مائل ہوتے ہیں۔''

① مجموع الفتاوی: ۴/۴۹۔

عقیدے کے بارے میں ان کی ایک ہی بات ہوگی، اور سب نے ایک ہی بات نقل کی ہوگی۔ اس میں تم کوئی اختلاف نہیں دیکھو گے، اور نہ ہی کوئی فرق اگرچہ وہ فرق تھوڑا ہی کیوں نہ ہو، (یعنی تھوڑا سا بھی فرق محسوس نہیں کروگے، بلکہ اگر ان باتوں کو جمع کروگے جو ان کی زبانوں سے نکلی ہوں، اور انھوں نے اپنے اسلام سے نقل کیں ہوں تو ان کو ایسا پاؤ گے گویا وہ ایک ہی دل سے آئی ہیں، اور ایک ہی زبان سے نکلی ہیں۔ تو کیا حق پر کوئی اس سے بھی بڑھ کر دلیل ہوسکتی ہے؟ [1]

3: اہل السنہ کا یہ عقیدہ ہے کہ سلف صالحین کا طریقہ کار ہی سادہ، صحیح، سالم، زیادہ محکم اور پختہ ہے، نہ کہ اہل الکلام کی طرح (یوں کہتے ہیں) کہ سلف کا طریقہ اسلم، صحیح و سالم ہے، اوران کا (اہل الکلام) کا (اپنا) طریقہ زیادہ (اعلیٰ علم والا اور زیادہ محکم ہے)۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ اس بہتان کا ردّ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ''تحقیق انھوں نے طریقۂ سلف پر جھوٹ باندھا ہے، اور وہ گمراہ ہوگئے ہیں، طریقہ خلف کی تصدیق کرنے میں، وہ واضح طور پر جہالت پر جمع ہیں، طریقہ سلف کے ذریعے سلف پر جھوٹ باندھنے میں اور خلف کے طریقہ کی تصدیق کے ذریعے ان کی جہالت وگمراہی واضح ہوگئی ہے۔'' [2]

اور اسی طرح فرماتے ہیں: ''یہ مخالفینِ سلف متکلمین، جب ان پر کسی معاملہ کو ثابت کردیا جاتا ہے نہ تو ان کے پاس حقیقی علم ہوتا ہے، اور نہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کے بارے میں اور نہ ہی اس کی معرفت کے بارے میں کوئی خالص (خبر) حدیث ہوتی ہے، اور نہ وہ اس بارے میں قرآن کی کسی آیت سے واقف ہوتے ہیں، اور نہ ہی کسی حدیث سے۔ تو پھر یہ پردہ میں ہوں گے (یعنی قیامت کے دن اللہ کا دیدار ان کو نصیب نہیں ہوگا) (یہ متکلمین) جو حیران و پریشان ہیں، اور صراطِ مستقیم سے ہٹنے والے ہیں، کیسے اسماء وصفات کے بارے

[1] الحجة فی بیان الحجة، لقوام السنة:۲/۲۲۴.

[2] مجموع الفتاویٰ:۵/۱۱.

میں زیادہ علم والے (عالم) ہو سکتے ہیں؟ اور کیسے اللہ کی ذات اور نشانیوں کے بارے میں زیادہ احکم و محکم ہو سکتے ہیں۔ سابقین اوّلین (سب سے پہلے ایمان لانے والے) مہاجرین وانصار سے، اور ان لوگوں سے جنھوں نے ان کی پیروی اچھے طریقے کے ساتھ کی جو کہ انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں، اور رسولوں کے خلفاء ہیں یہ ہدایت کی نشانی اور اندھیرے میں چراغ ہیں، جن کے ذریعے (اللہ نے) اپنی کتاب کو قائم و نافذ کیا۔ یہ اسی کتاب کو پکڑ کر کھڑے ہوئے اور انہی کے بارے میں کتاب نے (ان کی فضیلت کو) بیان کیا اور اس کتاب کو ہی انھوں نے بیان کیا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو رب نے علم و حکمت عطا کی، اور اس علم و حکمت کے ذریعے، ان کو تمام انبیاء علیہم السلام کے متبعین (پیروکاروں) پر فضیلت دی چہ جائیکہ جن کے پاس سرے سے کوئی کتاب ہی موجود نہیں۔

اور انھوں نے ظاہر و باطن کے علوم حقائق کو اس قدر جانا کہ اگر دیگر لوگوں کی حکمت کا اس سے موازنہ کیا جائے تو مقابلہ کرنے والا اشرما جائے گا۔''[1]

4: سلف صالحین، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال واقوال اور افعال کو زیادہ جاننے والے تھے، اسی وجہ سے وہ تمام لوگوں سے بڑھ کر سنت سے محبت کرنے والے تھے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کو سب سے زیادہ محبوب جانتے تھے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جب یہ بات ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق میں سب سے اکمل اور ان میں حقائق کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے، اور بات اور حال کے اعتبار سے سب سے زیادہ ٹھیک اور درست تھے۔ تو اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جو لوگوں میں سب سے زیادہ علم رکھتا ہو، وہ آپ کی بابت مخلوق میں سب سے بڑا عالم ہوگا، اور مخلوق میں سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت واقتدا اور پیروی کرنے والا وہ ہوگا جو مخلوق میں سب سے افضل ہوگا۔ (اور یہ

[1] مجموع الفتاوی:٩/٥.

سارے اوصاف صحابہ میں ہیں) اور یہ سارے اصول اہل الحدیث کے ہیں۔''①

اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ ''طائفۃ منصورہ'' اور ''فرقہ ناجیہ'' (۷۳ رفرقوں میں نجات پانے والا فرقہ) ہونے کے سب سے زیادہ مستحق یہی لوگ ہیں۔

شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ اہل الحدیث ہی تمام لوگوں میں اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ وہ ''فرقہ ناجیہ'' کے مصداق ہوں۔ کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کا کوئی ایسا متبوع نہیں جس کی یہ بڑی پختگی کے ساتھ پیروی کرتے ہوں، مگر صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (یعنی وہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہیں۔) اور یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال واعمال کو سب سے زیادہ جانتے ہیں، اور صحیح وضعیف کا علم بھی سب سے زیادہ یہی رکھتے ہیں۔ اور ان کے آئمہ اس میں فقاہت وسمجھ بوجھ رکھتے ہیں، اور اس کے معانی ومطالب کو جاننے والے ہیں، اور سنت کی اتباع کرنے والے ہیں۔ اس کی تصدیق ومحبت وعمل کے ذریعے وہ ان سے بھی محبت رکھے ہیں، جو سنت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہو، اور وہ ان کے دشمن ہیں جو سنت کے دشمن ہیں۔''

5: اور یہ صحیح عقیدہ اور سیدھے وصحیح دین کی نشر واشاعت پر بہت زیادہ حریص ہیں، وہ دین جو اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دے کر بھیجا۔ اسی طرح اہل سنت والجماعت لوگوں کو دین سکھانے، اور دین حق کی طرف رہنمائی کرنے، اور ان کی خیر خواہی کرنے کے بھی بہت حریص ہیں وہ لوگوں کی خیر خواہی اور مخالفین اور بدعتی لوگوں کا رد کرتے ہیں۔

6: اہل الحدیث باقی فرقوں اور گروہوں میں میانہ رو اور معتدل ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((أهل السنة في الإسلام كأهل الإسلام في الملل الأخرى.))

''اہل سنت اسلام میں وہ حیثیت رکھتے ہیں جو حیثیت اسلام کی دوسرے ادیان کے

① مجموع الفتاوی: ۳/ ۱۴۰، ۱۴۱.

مقابلہ میں ہے۔''[1]

ایک دوسری جگہ (وسطیہ) درمیانی راہ اختیار کرنے کی وضاحت یوں فرماتے ہیں کہ:
''اہل حدیث، اہل السنہ صفات کے بارے میں اہل تعطیل جہمیہ اور اہل تمثیل مشبہہ کے درمیان ہیں، اور اللہ کے افعال کے بارے میں ''قدریہ'' اور ''جبریہ'' کے درمیان ہیں۔ اور اللہ کی وعید وعذاب کے متعلق اہل السنہ ''وعیدیہ'' مرجیہ اور ''قدریہ'' وغیرہ کے درمیان ہیں۔ ایمان اور دین کے نام کے بارے میں حروریہ، ''معتزلہ'' اور ''مرجیہ''، و''جہمیہ'' کے درمیان ہیں اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق روافض (شیعہ) وخوارج کے درمیان ہیں۔''[2]

7: اہل السنہ اجتماعیت ومحبت کے حریص ہیں اور یہ لوگوں کو اس کی دعوت دیتے اور ان کو اس اتحاد و اجتماعیت پر ابھارتے ہیں۔ اور یہ اہل توحید (اہل عقیدہ) کے درمیان اختلاف وفرقہ واریت کو چھوڑ دیتے ہیں (یعنی پسند نہیں کرتے) اور لوگوں کو بھی فرقہ واریت اور اختلاف سے ڈراتے ہیں، اور ان کا مشہور ترین نام اور پہچان ''اہل السنہ والجماعۃ'' ہے۔ یہ ساری باتیں ان میں کیوں نہ ہوں؟ جبکہ ان کے امام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمادیا تھا کہ:

((إِنَّ اللَّهَ يَرْضَى لَكُمْ ثَلاثًا وَيَكْرَهُ لَكُمْ ثَلاثًا: فَيَرْضَى لَكُمْ أَنْ تَعْبُدُوهُ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، وَأَنْ تَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا.))[3]

''اللہ تمہارے لیے تین باتوں کو پسند کرتا ہے، اور تین باتوں کو ناپسند کرتا ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو، اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ یعنی شرک نہ کرو، اور تم اللہ کی رسی کو

---

[1] مجموع الفتاوی: ۷/ ۲۸۴.

[2] مجموع الفتاوی: ۳/ ۱۴۱.

[3] صحیح مسلم، باب فی قضیۃ ہند، رقم: ۴۳٦۷.

مضبوطی سے تھام لو اور فرقوں میں نہ بٹو۔''

اور ان سے رب تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٠٥﴾ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ﴾ (آل عمران:۱۰۵-۱۰۶)

''تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنھوں نے اپنے پاس روشن دلیلیں آ جانے کے بعد بھی تفرقہ ڈالا (فرقہ واریت کو ہوا دی)، اور اختلاف کیا انہی لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے۔ جس دن بعض چہرے سفید ہوں گے، اور بعض چہرے سیاہ۔''

سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے: ''اہل السنہ کے چہرے سفید ہوں گے، اور اہل بدعت کے چہرے کالے سیاہ ہوں گے۔''①

① فتح القدیر، للشوکانی:۱/ ۳۰۲.

اہل بدعت کا منہج استدلال

گزشتہ سطور میں اہل سنت والجماعت کا طرزِ استدلال اور منہج بیان کیا گیا ہے، اب ضروری ہے کہ اس جماعت سے علیحدگی اختیار کرنے والے، اہل بدعت کا منہج بھی بیان کیا جائے۔

1: اہل بدعت استدلال میں شرعی دلیل پر اکتفا نہیں کرتے، بلکہ یہاں تک کہ وہ عقائد میں بھی اس کا اہتمام نہیں کرتے۔ بلکہ وہ بے سند اور من گھڑت قصے کہانیوں سے اس طرح استدلال کرتے ہیں جیسے وہ عقلیات کے نام پر منطق وفلسفہ سے استدلال کرتے ہیں۔ اور وہ دین کے بارے میں لوگوں کے اقوال سے اور جھوٹے آثار وواقعات اور موضوع ومن گھڑت احادیث، اوران چیزوں (سے جس کو وہ کشف وذوق کا نام دیتے ہیں) سے بھی استدلال کرتے ہیں۔

2: اہل السنہ کے نزدیک استدلال کے معتبر اصولوں کا یہ اعتبار و پاس نہیں رکھتے، بلکہ

---

① نوٹ:..... یہ اس منہج کی ایک مثال ہے، اللہ کے نبی ﷺ کی صحیح حدیث ہے کہ

((لَنْ يُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا أَمْرَهُمُ امْرَأَةً.))

"وہ قوم کامیاب نہیں ہوسکتی جس نے اپنے معاملات (حکومت) کو عورت کے سپرد کر دیا۔"

اس منہج کے بعض لوگ اس حدیث کا رد، انکار کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: بلکہ سبا اپنی قوم کی حاکم وحکمران تھی کیونکہ اس کے اندر حسن تدبیر ومعاملہ فہمی تھی، جس کی وجہ سے اس کی قوم، سیّدنا سلیمان علیہ السلام کے ہاتھوں محفوظ رہی۔ لہٰذا عورت حاکم بھی ہوسکتی ہے اور پارلیمنٹ کی صدر بھی۔

ان کی یہ بات غلط اور مردود ہے کیونکہ وہ لوگ کافر تھے، اور یہ (ملکہ سبا) بھی اس وقت کافرہ تھی، اور اگر بالفرض اس کی حکومت صحیح وشرعی ہوتی تو سیّدنا سلیمان علیہ السلام اس کی حکومت کو ختم نہ کرتے، بلکہ اس کو حاکم رہنے دیتے، اور اس کی حکومت برقرار رکھتے۔

یہ متشابہات کی پیروی کرتے ہیں، اور متشابہ کو محکم کی طرف نہیں لوٹاتے اور مجمل سے استدلال کرتے ہیں۔

مبیّن (جس کا معنی واضح ہو) کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ اور یہ بشارت ووعید (عذاب) کی آیات کے درمیان اور نہ ہی آیات نفی واثبات کے درمیان اور نہ ہی عموم وخصوص کے درمیان تطبیق وجمع کرتے ہیں۔ ①

3: یہ لوگ صحابہ رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین رحمہم اللہ کی تفسیر، ان کے آثار واعمال اور ان کی سیرت وطریقہ اور نصوص کو سمجھنے میں ان کی فہم وفراست پر اعتماد نہیں کرتے، بلکہ وہ اس سے دور رہتے ہیں۔ اور مومنوں کے راستے کے علاوہ دوسرے راستے کی پیروی کرتے ہیں۔

4: جو شرعی نصوص ان کی خواہشات اور اصولوں کے موافق نہیں ہوتے وہ انھیں رد کردیتے ہیں۔

5: یہ عقائد میں بھی تاویلات پر اعتماد کرتے ہیں، اور اللہ کی شان میں وہ باتیں کہتے ہیں جو اس کے شایانِ شان نہیں ہیں۔ یہ فتنوں کی راہ ڈھونڈھتے ہوئے، متشابہات کی تفسیر کے درپے ہوتے ہیں۔

6: یہ لوگ نصوصِ شرعیہ کی تفسیر اپنی خواہشات سے کرتے ہیں، اور یہ قرآن کی ایک آیت کی تشریح دوسری آیت سے کرنا صحیح قرار نہیں دیتے ہیں، اور ایسے ہی لغوی معنی پر بھی اعتماد نہیں کرتے۔

7: تقدیر اور صفات باری تعالٰی اور دوسری ایسی سماعی نصوص جن کی گہرائی میں جانے سے شریعت نے منع کیا ہے، یہ اس کی گہرائی میں جانے کی کوشش کرتے ہیں۔

8: یہ صفات باری تعالٰی کے بارے میں بدعی الفاظ پر اعتماد کرتے ہیں، جیسے جسم، جوہر، عرض وغیرہ۔

① از تعلیقات ابن باز.

9: ان کے منہج کی بنیاد باطل وفضول قسم کی بحث وتمحیص اور اختلافات وجھگڑے پر ہے۔

10: ان لوگوں کو خواہشات اور لوگوں کی رائے (آراء الرجال) اور موضوع احادیث پر بھروسہ واعتماد کرنے کی وجہ سے سند کی کوئی پروا اور فکر نہیں ہے۔

11: یہ اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ شریعت وعقل ایک دوسرے کے مخالف ہیں، اور حقیقت وشریعت اور ان کے اصول اور شریعت کے درمیان اختلاف ہے۔

پھر یہ اپنی خواہشات وعقلیاتِ (منطق) فاسدہ کو حاکم بناتے ہیں، اور ان کو شریعت پر ترجیح دیتے ہیں۔

اہل بدعت اور فرقہ پرستوں کا عمومی منہج:

اولاً:...... یہ حق وباطل کو آپس میں خلط ملط کر دیتے ہیں۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ اہل بدعت کی حالت کو بیان کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:

''یہ لوگ کتاب وسنت (قرآن وحدیث) کو اپنی عقلیات (منطق، فلسفہ) کے ساتھ ٹکراتے ہیں، وہ عقلیات جو حقیقت میں جہلیات ہیں۔ یہ اپنے معاملہ کی بنیاد ایسے مشتبہ ومحتمل اقوال پر رکھتے ہیں، جس میں کئی معنی کا احتمال واندیشہ ہو، اور ان کے معانی میں اشتباہ اور لفظ میں اجمال (بات واضح نہ کرنا) ہوتا ہے جو کہ حق وباطل دونوں کو شامل ہوتا ہے۔''

تو پھر جس میں حق ہوگا اس کو قبول کر لیا جائے گا، اور جو باطل ہوگا اس کو رڈ کر دیا جائے گا، یہ اشتباہ والتباس کی وجہ سے علم کا فائدہ نہیں دیتا۔ پھر اس میں جو باطل معنی ہوتا ہے اس کو وہ نصوصِ انبیاء علیہم السلام (اقوال انبیاء) کے ساتھ ٹکراتے ہیں۔ اور یہی گمراہی کا سبب ہے، اور ہم سے پہلی امتیں بھی ایسے ہی گمراہ ہوئیں۔

اور بدعات بھی اسی طریقہ سے ہی پیدا ہوتی اور وجود میں آتی ہیں۔ کیونکہ اگر یہ بدعت بھی باطل محض ہوتی تو قبول نہ کی جاتی بلکہ ہر ایک اسے فوراً رد کر دیتا اور اگر حقِ محض ہوتی تو

بدعت نہ ہوتی بلکہ سنت کے موافق ہوتی۔

لیکن وہ حق و باطل دونوں پر مشتمل ہوتی ہے، اور اس میں حق و باطل گڈ مڈ ہوتا ہے، جیسے کہ رب تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (البقرة:۴۲)

''حق کو باطل کے ساتھ گڈ مڈ، خلط ملط نہ کرو، اور حق کو مت چھپاؤ اس حال میں کہ تم حق کو جانتے ہو۔''

تو اللہ نے حق کو باطل کے ساتھ ملانے اور حق کو چھپانے سے منع فرمایا ہے، اور اسی لبس، سے تلبیس ہے، اور یہ تدلیس ہے۔ تدلیس اس دھوکے کو کہتے ہیں جس کا ظاہر کچھ اور باطن کچھ اور ہو۔ اسی طرح حق و باطل کو خلط ملط کر دیا جائے تو گویا (اس حق کو باطل کے ساتھ ملانے والے نے) باطل کو حق کی صورت میں ظاہر کیا۔ (اور لوگوں کو حق بنا کر پیش کیا، حقیقت میں باطل یہ ہوتا ہے۔) تو اس نے تدلیس کی جو کہ مذموم فعل ہے۔

اشتباہ و اجمال کی وضاحت:

اجمال لفظی:..... ایسا لفظ بولنا کہ جس کے دو معنی ہوں: ایک صحیح ہو اور دوسرا غلط۔ سننے والا سمجھے کہ اس نے صحیح معنی مراد لیا ہے، حالانکہ اس کی مراد باطل و غلط معنی ہوتی ہے۔

معنی میں اشتباہ:..... معنی میں اشتباہ کی دو صورتیں ہیں، ان میں سے ایک حق ہو، اور دوسری باطل و غلط۔ یہ دوسروں کو وہم دلاتا ہے کہ اس نے صحیح کا ارادہ کیا ہے حالانکہ اس کی مراد باطل معنی ہوتی ہے۔

بنی آدم کے گمراہ ہونے کی اصل وجہ و بنیاد مجمل الفاظ اور مشتبہ معانی ہیں، خاص طور پر جب ان الفاظ کو جنونی قسم کے ذہن مل جائیں۔ (اس سے بڑھ کر) اس وقت کیا حالت ہوگی جب خبط، جنون و پاگل پن کے ساتھ تعصب اور خواہش پرستی بھی ہو۔ تو اس وقت دلوں کو ثابت رکھنے والی ذات (اللہ) سے سوال کر کہ وہ تیرے دل کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھے

اور اندھیروں میں گرنے سے بچالے۔ ①

ثانیاً:..... ان کا یہ دعویٰ ہے کہ نصوص دین کے لیے کافی نہیں، اور نہ ہی نصوص (آیاتِ قرآنیہ اور احادیث مبارکہ) حیات انسانی کو منظم رکھنے کے لیے کافی ہیں۔ اس بارے میں ان لوگوں کی دو قسمیں ہیں:

(1) کچھ لوگ یہ بات واضح طور پر کہتے ہیں۔ ②

(2) کچھ لوگ یہ بات واضح طور پر تو نہیں کہتے، مگر ان کے مذہب کے لوازمات سے یہی بات سمجھ آتی ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''بعض ان اہل کلام وغیرہ کے جواب میں جو یہ منہ شگافی کرتے ہیں کہ نصوص مکمل شریعت کے لیے کافی نہیں ہیں، یا جو یہ کہتے ہیں کہ نصوص تو شریعت کے دسویں حصہ کے لیے بھی کافی نہیں ہیں (یعنی شریعت کا دسواں حصہ بھی نصوص میں موجود نہیں) یہ قول اہل کلام اور اہل الرائے کے ایک گروہ کا ہے جیسے ابوالمعالی وغیرہ۔ ان کی یہ بات بالکل غلط ہے۔ بات وہ صحیح ہے جو مسلمان ائمہ دین نے کہی ہے کہ نصوص بندوں کے اکثر افعال کے لیے کفایت کرتی ہیں۔ اگرچہ اس بات کا کچھ لوگوں نے انکار کیا ہے، انھوں نے انکار صرف اس وجہ سے کیا ہے کہ وہ اکثر نصوص کے معانی کو نہ سمجھ سکے جو کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال ہیں، اور وہ اقوال بندوں کے اکثر احکام کو شامل ہیں۔

---

① الصواعق المرسلة: ٣/٩٢٦، ٩٢٧.

② از تعلیقات ابن باز رحمه الله.

نوٹ:..... جس طرح ترابی نے واضح طور پر یہ بات کہی ہے کہ وہ عقیدہ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا وہ اس زمانے میں نہیں چل سکتا، اور جو احکام اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائے ہیں، وہ اسی زمانے کے لیے صحیح وکارگر تھے، دور حاضر میں وہ کفایت نہیں کرتے۔ یہ ترابی وہ شخصیت ہے جس کو بڑے (نام نہاد) اسلامی لیڈروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ (نعوذ بالله من ذلك)

دراصل بات یہ ہے کہ اللہ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو "جوامع الکلم" دے کر بھیجا ہے۔ آپ ﷺ ایک ایسا مختصر اور جامع کلمہ بولتے جو ایک مضبوط اور عام اصول ہوتا تھا، اور وہ کلمہ بے شمار عمومی مسائل کو شامل ہوتا تھا۔ اس توجیہ کے اعتبار سے نصوص بندوں کے احکام کو گھیرے ہوئے ہیں۔"①

امام شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"یہ بات (روزِ روشن کی طرح) ثابت ہے کہ نبی ﷺ کو اس وقت تک موت نہیں آئی کہ جب تک انھوں نے ان تمام دینی ودنیاوی امور کو بیان نہیں کر دیا، جن کی طرف (بندہ) محتاج ہوسکتا ہے، اور اہل السنہ میں سے اس کی مخالفت کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ اگر معاملہ اس طرح مانیں، جس طرح بدعتی لوگ کہتے ہیں تو گویا وہ اپنی زبان حال یا واضح طور پر یہ کہنا چاہتے ہیں کہ شریعت مکمل نہیں ہے، بلکہ شریعت میں کچھ ایسی چیزیں باقی رہ گئی ہیں، جن کا جاننا واجب یا مستحب ہے۔ کیونکہ اگر ان کا یہ عقیدہ ہوتا کہ شریعت مکمل واکمل اور اتم ہے تو یہ دین میں بدعتیں نہ گھڑتے، اور نہ ہی استدراک کی ہر لحاظ سے کوشش کرتے (استدراک کہتے ہیں کسی امر کی تلافی کرنا، کمی پوری کرنا) جو شخص یہ بات کہتا ہے، وہ صراطِ مستقیم سے بھٹک چکا ہے۔"

ابن ماجشون فرماتے ہیں:

"میں نے امام مالک رحمہ اللہ سے سنا کہ جو شخص اسلام میں کوئی بدعت ایجاد کرتا ہے، وہ (بزعم خویش) اس کو اچھا سمجھتا ہے، گویا اس کا یہ ذہن ہے کہ محمد ﷺ نے دین پہچانے میں خیانت کی ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ "میں نے آج کے دن تمہارے لیے دین کو مکمل کر دیا ہے۔"

جو اس دن دین نہیں تھا، وہ آج بھی دین نہیں ہوسکتا۔②

① مجموع الفتاوی: ۱۹/ ۲۸۰.
② الاعتصام، للشاطبی: ۱/ ۴۹.

ثالثاً:..... یہ اپنے ہی بنائے ہوئے قواعد کے ذریعے وحی الٰہی کا ردّ کرتے ہیں۔ امام شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''تیسری بات یہ ہے کہ یہ لوگ شریعت کے مخالف اور دشمن ہیں۔ کیونکہ اللہ ربّ العزت نے بندے کے لیے مخصوص مطالب وطرق خاص وجوہات کی بنا پر متعین کیے ہیں، اور اللہ نے اپنے اوامر اور نواہی کے ذریعے، اور وعد (جنت کی بشارت) اور وعید (عذاب سے ڈرانے کے ذریعے) اپنی مخلوق کو مکلف کردیا ہے، اور پھر بتادیا کہ خیر اس میں ہے اور شر اس سے آگے بڑھ کر دوسروں کی طرف متوجہ ہونے میں ہے، کیونکہ اللہ ذوالجلال والاکرام جانتا ہے، ہم نہیں جانتے۔ اور اس (اللہ) نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے، مگر بدعتی ان تمام باتوں کو ٹھکرا کر یہ سمجھتے ہیں کہ اس کے علاوہ کچھ اور بھی یہاں طرقِ خیر (خیر کے راستے) موجود ہیں۔''①

امام ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اپنی عقل اور آراء کے ذریعے وحی کا ردّ کرنے والوں نے چار بڑی باتوں کا ارتکاب کیا ہے:

1: انھوں نے نصوص انبیاء علیہم السلام کو ردّ کیا ہے۔
2: وحی کے بارے میں انھوں نے برا گمان رکھا کہ یہ عقل کے منافی ومعارض ہے۔
3: موافقِ عقل نصوص کو ردّ کر کے انھوں نے اپنی عقلوں پر ظلم کیا ہے، کیونکہ جن نصوص کو وہ بزعم خویش معارض عقل سمجھتے ہیں، وہ واضح طور پر عقل کے موافق ہیں۔
4: جو ان کے خودساختہ اصولوں کی مخالفت کرتا ہے، اس کو یہ کافر وگمراہ اور بدعتی کہتے ہیں۔ حالانکہ جو اقوال انھوں نے گھڑے ہیں، وہ عقل اور نقل (شرعی) دونوں کے

① الاعتصام، للشاطبی: ۱/۴۹.

مخالف ہیں۔ چنانچہ انھوں نے عقل ونقل کے خلاف رائے اپنانے والے کی رائے کو درست اور اس کے موافق رائے اپنانے والوں کی رائے کو غلط قرار دیا، اور یہ چیز ان میں رواج پا گئی جنھیں اللہ نے نور ہدایت سے محروم کیا ہے اور جن کے دلوں تک نور نبوت کی کرنیں نہیں پہنچیں۔''①

رابعاً:..... ان کے منہج میں یہ بھی ہے کہ یہ لوگ اسلام کے دشمنوں کے لیے شکوک وشبہات کا دروازہ کھولتے ہیں۔ امام ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ان لوگوں کو یہ کافی نہیں ہوا کہ اپنے اوپر نفی وتعطیل کے سلسلہ میں دشمنان اسلام کی تردید کا دروازہ بند کرلیا یہاں تک کہ انھوں نے ان کے لئے دروازہ کھولا اور قرآن وسنت سے لڑائی کا راستہ ہموار کردیا، چنانچہ جب وہ ان کے دروازہ سے داخل ہوئے اور ان کی راہ پر چلے تو وہ بھی ان کے ساتھ ہو گئے اور سب مل کر وحی الٰہی کے خلاف لڑنا شروع کر دیے اور دعویٰ کیا کہ عقل وحی کے خلاف ہے۔

اہل باطل کا رد ہر اعتبار سے سنت پر عمل کر کے ہی کیا جا سکتا ہے، ورنہ انکار رد کرنا ممکن نہیں، اگر بندہ کچھ معاملات میں سنت کی پیروی کرے، اور کچھ معاملات میں سنت کی پیروی چھوڑ کر اس کی مخالفت کرے تو وہ جس قدر سنت کی مخالفت کرے گا، اہل باطل اتنی بات کو ہی لے کر اس پر حجت قائم کردیں گے، اور سنت کے ان مخالف مقدمات میں سے موافق باتوں سے حجت قائم کریں گے۔ اور جو حق سے قریب تر کے خلاف باطل پرستوں کے عام حجت ودلائل پر غور کرے گا وہ دیکھے گا کہ ان کی حجت ان کے خلاف طاقتور ہوتی ہے جو اس حق میں سے کچھ چھوڑ دیتا ہے جس کے ذریعہ اللہ نے رسولوں کو بھیجا اور کتابوں کو نازل فرمایا ہے چنانچہ حق کا چھوڑا ہوا حصہ باطل پرست کے لیے ان کے خلاف سب سے عظیم حجت بن

① الصواعق المرسلة: ٢/ ٩٨٨، ٩٩٩.

جاتا ہے، اور آپ بہت سے اہل علم وکلام کو دیکھیں گے کہ وہ کبھی باطل کے خلاف اپنے مقابل کی موافقت کرتے ہیں اور کبھی حق کے ساتھ ان کی مخالفت کرتے ہیں جس کے نتیجے میں وہ ان پر مسلط ہو جاتے ہیں جبکہ الحمدللہ جو شخص ہر طرح سے سنت کی پیروی کرتا ہے، اس پر اہل باطل کسی بھی طرح حجت قائم نہیں کر سکتے۔ (ہاں!) اگر وہ بندہ انگلی کے پور کے برابر بھی سنت سے نکل جائے تو اہل باطل اس پر اسی قدر مسلط وحاوی ہو جائیں گے۔ گویا سنت اللہ کے قلعوں میں سے ایک قلعہ ہے جو اس میں داخل ہو گیا وہ امن میں آ گیا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنتَ فِيهِمْ ط﴾ (الأنفال: ۳۳)

''اللہ تعالیٰ ان کو اس وقت تک عذاب نہیں دے گا، جب تک آپ ان میں موجود ہیں۔''

اور اللہ کا صراطِ مستقیم وہ راستہ ہے جو اس پر چلے گا وہ اللہ کو پا لے گا، اور یہ واضح دلیل ہے جو اس سے روشنی حاصل کرے گا، ہدایت پا جائے گا۔ جس شخص نے باطل پرست کی تھوڑی سی بھی موافقت کی (کہ وہ اس موافقت کے ذریعے) اس کو باطل کی نفی کی طرف لے جائے گا ایسے شخص کے لیے اہل علم نے ایک مثال بیان کی ہے، جو بالکل اس کے مطابق ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ حق کی مثال ایک سیدھے اور وسیع راستے کی سی ہے جس کے اردگرد ڈاکو اور چور ہیں، اور ان ڈاکوؤں کے پاس لڑکیاں ہیں، جن کو انھوں نے زیورات اور جھالردار چادروں کے ذریعے دیکھنے والوں کے لیے سجایا ہوا ہوتا ہے، جب آدمی وہاں سے گزرتا ہے تو وہ اس کے سامنے آ جاتی ہیں، اگر وہ (آدمی) ان کی طرف مائل ہوتا ہے تو وہ اس سے بات کرنے کا ارادہ ظاہر کرتی ہیں، اور اس کو کچھ باتیں کہتی ہیں۔ اور اگر یہ ان کی طرف لوٹ جاتا ہے، اور ان کی بات کو قبول کر لیتا ہے تو وہ اس کو قتل گاہ کی طرف لے جاتی ہیں، پھر جب موت اس پر داخل ہو جاتی ہے تو یہ ان کے ہاتھوں قیدی بن جاتا ہے یا

قتل ہو جاتا ہے۔

تو وہ ایسی قوم سے کیسے لڑے گا جن کے قبضے میں ہتھیاروں کے سائے میں قیدی بنا پڑا ہے؟ بلکہ یہ تو ان کے مددگاروں میں سے ایک مددگار بن جائے گا، ڈاکوؤں میں سے ایک ڈاکو بن جائے گا۔

اس مثال کو صرف وہی سمجھ سکتا ہے جو راستے کے قزاقوں اور ڈاکوؤں کے مکر وفریب اور حیلوں سے واقف ہو۔" (وباللہ التوفیق واللہ المستعان)[1]

امام بربہاری رحمہ اللہ کے قول:

((فمن لم يأخذ عنهم فقد ضل وابتدع.))

"جو ان سے ہدایت و رہنمائی نہیں لیتا، وہ گمراہ ہو گیا اور بدعتی بن گیا۔"

سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ یہ چیز اہل سنت کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت ہے جو اس کو دوسروں سے ممتاز کرتی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ "وہ گمراہ و بدعتی ہو گیا" اس سے پتہ چلتا ہے کہ بدعت اور گمراہی میں ایسے تلازم ہے جیسے بدعت اور فرقہ پرستی ایک دوسرے کو لازم ہیں۔

ان کا کہنا ہے کہ ہر بدعت ضلالت و گمراہی ہے، ان کی یہ بات حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ماخوذ ہے۔

((كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ.))

"ہر بدعت گمراہی ہے۔"[2]

امام بربہاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((لَا عُذْرَ لِأَحَدٍ فِي ضَلَالَةٍ رَكِبَهَا حَسِبَهَا هُدًى ، وَلَا فِي هُدًى

[1] الصواعق المرسلة: ۴/ ۱۲۵۔

[2] صحیح مسلم، کتاب الجمعة، رقم: ۲۰۰۵۔

تَرَكَهُ حَسِبَهُ ضَلالَةً ، فَقَدْ بُيِّنَتِ الْأُمُورُ ، وَثَبَتَتِ الْحُجَّةُ ، وَانْقَطَعَ الْعُذْرُ))[1]

سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''کسی سے کوئی عذر قابل قبول نہ ہوگا کہ اس نے ہدایت سمجھ کر گمراہی کو اختیار کرلیا، اور گمراہی سمجھ کر ہدایت کو چھوڑ دیا، کیونکہ امور کی وضاحت کردی گئی ہے۔ اور حجت ودلیل ثابت وقائم ہو چکی (لہٰذا) عذر بھی منقطع وختم ہو چکا۔''

یہ اثر اگرچہ سند کے لحاظ سے منقطع ہے، مگر اسی کے معنی اور قریب اللفظ ایک اور اثر بسند صحیح سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ہی موجود ہے کہ آپ نے فرمایا:

((إِنَّ أُنَاسًا كَانُوا يُؤْخَذُونَ بِالْوَحْيِ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَإِنَّ الْوَحْيَ قَدِ انْقَطَعَ ، وَإِنَّمَا نَأْخُذُكُمُ الْآنَ بِمَا ظَهَرَ لَنَا مِنْ أَعْمَالِكُمْ ، فَمَنْ أَظْهَرَ لَنَا خَيْرًا أَمِنَّاهُ وَقَرَّبْنَاهُ، وَلَيْسَ إِلَيْنَا مِنْ سَرِيرَتِهِ شَيْءٌ، اللَّهُ يُحَاسِبُ سَرِيرَتَهُ ، وَمَنْ أَظْهَرَ لَنَا سُوءًا لَمْ نَأْمَنْهُ وَلَمْ نُصَدِّقْهُ ، وَإِنْ قَالَ: إِنَّ سَرِيرَتَهُ حَسَنَةٌ))[2]

''اللہ کے نبی ﷺ کے زمانہ میں وحی کے ذریعے لوگوں کا مواخذہ کیا جاتا تھا، اب چونکہ وحی منقطع ہو چکی ہے لہٰذا ہم لوگوں کے ظاہری اعمال کے ذریعے مواخذہ کریں گے، جو ہمارے سامنے ہیں۔ ہمارے سامنے جس کے ظاہری اعمال اچھے ہیں، ہم اس پر اعتماد کریں گے، اور اس کو اپنے قریب کریں گے، ہمیں اس کے پوشیدہ معاملات سے کوئی سروکار نہیں، پوشیدہ تنہائی کے معاملات کا حساب اللہ ہی لے گا۔ اور ہمارے سامنے جس کے ظاہری اعمال صحیح نہیں، ہم اس پر بالکل بھروسہ

[1] الإبانة الكبرى، لإبن بطة، رقم:١٦٢۔ السنة للمروزي، رقم:٩٥.

[2] صحيح بخاري، كتاب الشهادات، رقم:٢٦٤١.

نہیں کر سکتے اگر چہ وہ یہ کہے کہ اس کے پوشیدہ معاملات بہت اچھے ہیں، اور نہ ہی ہم اس کی تصدیق کریں گے۔''

اس اثر سے منہج کے بارے میں کئی مسائل ثابت ہوتے ہیں:

ا: سب سے پہلے ان تمام متحرک تنظیموں کا ردّ ہوتا ہے، جن کی دعوت کی بنیاد کتاب وسنت اور آثارِ صحابہ پر نہیں ہے۔ (ان کی جس بات کا ردّ ہوتا ہے وہ بات یہ ہے) ہم ان باتوں پر ایک دوسرے سے اتحاد کرتے ہیں جن باتوں پر ہم (دونوں فریق) متفق ہیں، اور جن معاملات میں ہمارے ایک دوسرے سے اختلافات ہیں۔ ہم ان معاملات میں ایک دوسرے سے معذرت کر لیتے ہیں۔ ان کا یہ قاعدہ قرآن وسنت کے برعکس ہے۔ قرآن میں رب تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ﴾ (المائدة:٧٩)

''وہ آپس میں ایک دوسرے کو برے کاموں سے جو وہ کرتے تھے روکتے نہیں، جو کچھ بھی یہ کرتے تھے یقیناً وہ بہت برا تھا۔''

﴿لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ﴾ (المائدة:٦٣)

''انہیں ان کے عابد وعالم جھوٹ باتوں کو کہنے اور حرام چیزوں کے کھانے سے کیوں نہیں روکتے بے شک بُرا ہے جو وہ کرتے ہیں۔''

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے:

((مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ.))[1]

[1] صحيح مسلم، كتاب الايمان، رقم:٤٩، عن ابی سعيد الخدری رضی اللہ عنہ.

''تم میں سے جو کوئی بھی برا کام دیکھے، اس کو چاہیے کہ اپنے ہاتھ سے روکے، اور اگر اس میں اس کی طاقت نہیں تو زبان سے روکے، اگر وہ یہ بھی نہیں کرسکتا تو اس کو دل میں برا جانے، اور یہ (دل سے جاننا) کمزور ترین ایمان کی علامت ہے۔''

راہ اثر تو وہ عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے جو ابھی ذکر کیا گیا:

یہ بات ذہن نشین رہے کہ مذموم اختلاف سلف صالحین کے منہج وعقیدہ کی مخالفت ہے، مگر جو اختلاف مسائل واحکام کے بارے میں اہل علم کا آپس میں ہے۔ یہ اختلاف تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی پیدا ہوگیا تھا، یہ اختلاف کوئی مذموم اختلاف نہیں، بلکہ ان کے اس اختلاف پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث صادق آتی ہے، جس کو سیّدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے:

((إن اجتهد فأصاب فله أجرانِ، وإن اجتهد فأخطأ فله أجرٌ واحدٌ.))[1]

''اجتہاد کرنے والا اجتہاد کرتا ہے اگر اس کا اجتہاد صحیح ہے تو اس کو دوہرا اجر ملے گا۔ اور اگر اجتہاد میں اس کو غلطی لگ جاتی ہے تو اس کو ایک اجر ملے گا۔''

اور یہ بات اس طرح بھی نہیں ہے کہ جو شخص کسی ایک معاملہ میں سلف کی مخالفت کرے اس پر گمراہ ہونے کا حکم لگا دیا جائے، بلکہ شریعت الٰہی کی مخالفت کبھی تو کفر تک لے جاتی ہے اور کبھی فسق (گناہ) تک لے جاتی ہے، اور کبھی صرف معصیت اور غلطی تک ہی پہنچاتی ہے۔ ان تمام لوگوں میں غلطی وخطا کرنے والا وہ ہے جو سلف کے قواعد واصول کی تعظیم تو کرتا ہو مگر اس کا اپنا اجتہاد یہاں تک پہنچ جائے یا اس پر کسی کتاب کا اثر ہو جائے جو اس نے پڑھی ہو، یا وہ اپنے استاد کا اثر قبول کرلے۔ خواہ ان باتوں میں سے ایک بات کی وجہ سے وہ اس معاملہ میں سلف کی مخالفت کرتا ہے۔

[1] صحيح بخاري، كتاب الاعتصام، رقم: ٧٣٥٢۔ صحيح مسلم، كتاب الأقضية، رقم:١٧١٦.

اور ہماری یہ بات ان لوگوں کے بارے میں ہے جوفوت ہو چکے ہیں۔ ورنہ جو زندہ ہیں وہ فتنہ سے بچ نہیں سکتے۔ (جو لوگ فوت ہو چکے ہوں) ان میں سے امام نووی رحمہ اللہ، ابن حجر رحمہ اللہ، اور بعض سلف کے بارے میں یہ بھی ملتا ہے کہ انھوں نے بعض ''صفات الٰہی'' میں تاویل کی ہے، جیسے مجاہد وغیرہ۔ تو یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں سب کو معلوم ہے کہ یہ سچے اور امت کے خیر خواہ لوگ تھے۔ اور ان اصولوں کی پاسداری و تعظیم کرنے والے تھے، جن اصولوں پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عمل پیرا تھے۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا فرمانا: ''رَكِبَهَا'' (وہ اس گمراہی کو ہدایت سمجھ کر اختیار کر لیتا ہے) یہ اس اجتہاد کی طرف اشارہ ہے، جو اجتہاد و سنت کے مخالف ہو۔

اس بارے میں امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''لیکن اہل کلام اور ضعیف رائے والوں کا گمان اور خواہشات نفسانی کی پیروی کرنا انسان اس حد تک کم کر دیتا ہے جس کا وہ مستحق ہوتا ہے اگر چہ اس راہ میں اس کی کوشش اس قدر ہو جتنی کسی اور کی نہ ہو کیونکہ کثرتِ اجتہاد میں کوئی فضیلت نہیں ہے۔''

بلکہ فضیلت تو اس میں ہے کہ آدمی سیدھی راہ پر چلے، اور ہدایت کی پیروی کرے، جس طرح کہ ایک اثر میں مذکور ہے:

((مَا ازْدَادَ مُبْتَدِعٌ اجْتِهَادًا إِلَّا ازْدَادَ مِنَ اللهِ بُعْدًا.))[1]

''بدعتی بدعت میں جتنی زیادہ کوشش اور اجتہاد کرتا ہے، وہ اللہ سے اتنا ہی زیادہ دور ہو جاتا ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوارج کے بارے میں فرمایا:

((يَحْقِرُ أَحَدُكُمْ صَلَاتَهُ مَعَ صَلَاتِهِمْ، وَصِيَامَهُ مَعَ صِيَامِهِمْ،

[1] الحلية، لأبي نعيم: ٣/٩.

وَقِرَاءَتَهُ مَعَ قِرَاءَتِهِمْ. يَقْرَؤُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ. يَمْرُقُونَ مِنَ الْإِسْلَامِ كَمَا يَخْرُجُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ.)) ①

''ان کی نمازوں کے سامنے تم اپنی نمازوں کو حقیر جانو گے، اور ان کے روزوں کے سامنے تم اپنے روزوں کو حقیر جانو گے، اور اس کی قرأت قرآن (قرآن پڑھنے) کے سامنے اپنی قرأت کو حقیر سمجھو گے، وہ قرآن پڑھیں گے مگر قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اُترے گا، وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے، جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔''

اہل بدعت جو ہمارے ہی قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں، جیسے (شیعہ) روافض، قدریہ، جہمیہ وغیرہ کے اندر علم وعمل کے بارے میں وہ جدوجہد دیکھی جاتی ہے جو اہل السنہ میں نظر نہیں آتی، اور اس طرح کی تحریک وحرکت بہت سارے اہل کتاب (یہودی، عیسائی) اور مشرکین میں بھی دیکھی جاسکتی ہے، اس میں ان کی نیت وارادہ بھی نیکی واچھائی کا ہوتا ہے، جس طرح کہ فضیل بن عیاض رحمہ اللہ اللہ کے اس فرمان کے متعلق فرماتے ہیں:

(لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ)(الملک:۲)

''تا کہ وہ (اللہ) تم کو آزمالے کہ تم میں کون اچھے عمل کر کے لاتا ہے۔''

اور''أحسن'' کا معنی''أخلص''خالص اللہ کے لیے، اور''أصوب'' کا معنی صحیح سنت کے مطابق ہے۔ بعض لوگوں نے کہا: اے ابوعلی!''أخلص و أصوب'' کا کیا مطلب؟ انھوں نے فرمایا کہ کبھی عمل خالص اللہ کے لیے تو ہوتا ہے مگر''أصوب'' یعنی صحیح سنت کے مطابق نہیں ہوتا تو وہ قبول نہیں کیا جاتا، اور اسی طرح کبھی ''أصوب'' یعنی سنت کے مطابق تو ہوتا ہے، لیکن وہ خاص اللہ کے لیے نہیں ہوتا تو بھی قبول نہیں ہوتا۔ عمل اس وقت تک قبول

① صحيح بخاري، كتاب المناقب، رقم:۳۶۱۴۔ صحيح مسلم، كتاب الزكوة، رقم:۱۰۶۴، عن ابى سعيد الخدرى رضي الله عنه

نہیں ہوتا، جب تک ''أخلص اور أصوب'' دونوں شرطیں بیک وقت اکٹھی نہ ہوں۔ ①

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان: ((حَسَبِهَا هُدًى)) کہ ''وہ اس (گمراہی) کو ہدایت سمجھتا ہے، شاید قرآن مجید سے ماخوذ ہے:

(يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿٣٠﴾) (الاعراف:٣٠)

''وہ (گمراہی پر ہوتے ہوئے بھی) سمجھتے ہیں کہ وہی ہدایت یافتہ ہیں۔''

(قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ﴿١٠٣﴾ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿١٠٤﴾)

(الکهف: ١٠٣-١٠٤)

''(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ کہہ دیجیے کہ اگر (تم کہو تو) میں تمھیں بتادوں کہ باعتبارِ اعمال سب سے زیادہ خسارے میں کون ہیں؟ جن کی زندگی کی تمام تر کوششیں بے کار ہو گئیں، اور وہ اس گمان میں رہے کہ وہ بہت اچھے کام کر رہے ہیں۔''

دوسرا مسئلہ جو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ثابت ہوتا ہے: وہ اس من گھڑت اور خود ساختہ قاعدے کا ردّ ہے جس کا لب لباب یہ ہے کہ جو لوگ عقیدہ (توحید) اور (معاملات) میں سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے ہیں ان کا ردّ اور انکار نہ کیا جائے۔

(یہ قاعدہ اس لیے باطل ہے کہ) اس ردّ و انکار کا مقصد کسی خاص شخص اور اس کی ذات کا ردّ مقصود نہیں ہوتا، بلکہ اصل مقصد اللہ کے راستے میں اس کی شریعت و منہج کو ہر فضول شئے سے پاک و ظاہر کرنا ہوتا ہے۔ اور کتاب و سنت سے اس کے درج ذیل دلائل ہیں:

قرآنِ مجید میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

(قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ﴿١٠٣﴾ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي

① التسعينية، لشيخ الاسلام:٩٢٦.

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا﴿۱۰۴﴾)

(الکھف:۱۰۳۔۱۰۴)

''(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ کہہ دیجیے کہ اگر (تم کہوتو) میں تمھیں بتادوں کہ باعتبارِ اعمال سب سے زیادہ خسارے میں کون ہیں؟ جن کی زندگی کی تمام تر کوششیں بے کار ہوگئیں، اور وہ اس گمان میں رہے کہ وہ بہت اچھے کام کر رہے ہیں۔''

ایک مقام پر فرمایا:

(وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ؕ)(النساء:۹۴)

''جب راستے میں تم کو کوئی سلام کرے تو اس کو تم یہ نہ کہو کہ تو مؤمن نہیں ہے! تم دنیاوی زندگی کے اسباب کی تلاش میں ہو، اللہ تعالیٰ کے پاس بہت سی غنیمتیں ہیں، پہلے تم بھی (تو) ایسے ہی تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا، لہٰذا تم ضرور تحقیق وتفتیش کر لیا کرو۔''

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ)

(آل عمران:۱۵۲)

''تم میں سے بعض دنیا چاہتے ہیں، اور بعض آخرت کا ارادہ رکھتے ہیں (اپنے اعمال کے ذریعے)۔''

نیز فرمانِ باری ہے:

(وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ؕ)(التوبۃ:۴۷)

''اور تمہارے اندر ان کے (تمہارے دشمن) جاسوس ہیں۔''

احادیث نبویہ:..... سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَا أَظُنُّ فُلَانًا وَفُلَانًا يَعْرِفَانِ مِنْ دِينِنَا شَيْئًا.))

''میں نہیں سمجھتا کہ فلاں فلاں شخص ہمارے دین کو کچھ سمجھتا ہو۔''

سیّدنا لیث بن سعد رحمہ اللہ جو اس حدیث کے راویوں میں سے ایک راوی ہیں، فرماتے ہیں:

((كَانَا رَجُلَيْنِ مِنَ الْمُنَافِقِيْنَ.))[1]

''یہ دونوں شخص منافقین میں سے تھے۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ''فتح الباری'' میں فرماتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظن وگمان وہ نہیں تھا جس سے شریعت نے منع کیا ہے، بلکہ یہ تو ایک قسم کا ڈرانا تھا، لہٰذا جس شخص کی کیفیت ان دونوں شخصوں جیسی ہو، ان کے بارے میں ایسے خیالات کا اظہار کرنا منع نہیں ہے، ہاں! جس ظن وگمان سے منع کیا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ ایک شخص دیندار ہے، اس کے بارے میں ایسے خیالات کا اظہار نہ کیا جائے، تاکہ اس کا دین وعزت دونوں سلامت رہیں۔''[2]

سیّدہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((أتيت النبي ﷺ فقلت: إن أبا الجهم و معاوية خطباني، فقال رسول الله ﷺ: أما معاوية فصعلوك لا مال له، وأما أبو الجهم فلا يضع العصا عن عاتقه.))[3]

''میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی، میں نے عرض کیا کہ مجھے ابوجہم اور معاویہ نے نکاح کا پیغام بھیجا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معاویہ تو غریب آدمی ہے اس کے پاس تو مال ودولت ہی نہیں۔ اور رہی بات ابوجہم کی تو وہ اپنی لاٹھی کندھے سے اتارتا ہی نہیں۔''

---

[1] صحیح بخاري، کتاب الأدب، رقم: ٦٠٦٧.

[2] فتح الباری شرح صحیح البخاري: ١٠/ ٤٨٥.

[3] سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، رقم: ٢٢٨٤۔ سنن نسائی، کتاب النکاح، رقم: ٣٢٤٥. عن فاطمة بنت قيس رضی اللہ عنہا۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

اور ''صحیح مسلم'' کی روایت میں ہے:

((وأما أبو الجهم فضراب للنساء))

''ابوجہم عورتوں کو بہت زیادہ مارنے والا ہے۔''①

یہ بات واضح ہے کہ دونوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل ومحاسن، اوران کی نیکوکاری میں کسی کو کوئی شک نہیں ہے، مگر یہ مقام خیر خواہی اور مشورہ کے اعتبار سے ایسا مقدمہ ہے، جہاں ڈرانا ہی مقصود تھا، لہٰذا مقصد ومطلب سے زیادہ (محاسن وغیرہ) ذکر نہیں کیے، اور یہاں محاسن اور خوبیاں بیان کرنے کی ضرورت بھی نہیں تھی، کیونکہ اس سے ذہن میں تشویش وکرب پیدا ہوتا اور وہ ان کی غلطیوں سے نظر پھیر لیتی، اوران کی غلطیوں کو بہت چھوٹا اور حقیر سمجھتی۔ اوراگر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خوبیاں ذکر کرتے تو شاید وہ ان خوبیوں کو لے لیتی اوران کی غلطیوں وعیبوں کو بھول جاتی، تواس سے اصل مقصد فوت ہوجاتا، جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع میں بیان کیا تھا، وہ مقصد ان دونوں صحابیوں کا رد تھا (کہ ان سے نکاح نہ کرو)۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((أَنَّ هِنْدَ بِنْتَ عُتْبَةَ قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّ أَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ شَحِيحٌ، وَلَيْسَ يُعْطِينِي مَا يَكْفِينِي وَوَلَدِي إِلَّا ما أَخَذْتُ مِنْهُ وَهُوَ لَا يَعْلَمْ، فَقَالَ: "خُذِي مَا يَكْفِيكِ وَوَلَدَكِ بِالْمَعْرُوفِ.))②

''ہند بنت عتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ابوسفیان ایک کنجوس آدمی ہے وہ ہمیں اتنا خرچہ بھی نہیں دیتا جو میرے اور میرے بچوں کے لیے کافی ہو۔ ہاں! البتہ (اس وقت ہمیں کافی ہوتا ہے) جب میں اس کے مال سے کچھ لے لوں اوراس کو اس بات کی خبر تک نہ ہو۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اتنا اس کے مال سے لے لو، جس سے تمہارا اور تمہارے بچوں کا گزارہ

① صحیح مسلم، کتاب الطلاق:٤٧.

② صحیح بخاري، کتاب النفقات، رقم:٥٣٦٤،عن عائشة رضی اللہ عنہا.

ہو جائے۔"

یہ دلائل کے ٹھاٹھیں مارتے سمندر کی چند بوندیں تھی، ورنہ اس بارے میں دلائل بہت ہیں۔ خاص طور پر کتب جرح وتعدیل تو اس موضوع سے بھری پڑی ہیں۔ مثال کے طور پر چند واقعات پیش خدمت ہیں:

(1) ابراہیم بن یزید النخعی:

ان کے بارے میں امام شعبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: "یہ وہ شخص ہے جو مسروق رحمہ اللہ سے روایت بیان کرتا ہے لیکن اس نے مسروق سے کچھ نہیں سنا۔"

انہی کے بارے میں امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "یہ صحیح طرح عربی نہیں جانتا تھا، اور کبھی کبھار اعرابی غلطی بھی کر جاتا تھا۔ ان کا ایک اور عیب بھی جرح وتعدیل میں محدثین بیان کرتے ہیں کہ یہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو غیر فقیہ کہتا تھا۔"[1]

کیا آپ یہ تصور کر سکتے ہیں کہ ابراہیم بن یزید النخعی رحمہ اللہ جو چوٹی کے اہل علم میں سے ہے (اس کے باوجود) اس کی کوئی خوبیاں اور فضیلت نہ ہو؟

کیوں نہیں! ضرور ہیں، مگر یہاں راوی میں ضعف والی چیزیں بیان کرنا مقصود تھیں، اس کے علاوہ دوسرا کوئی مقصد نہ تھا۔

(2) شعیب بن میمون الواسطی:

ابوحاتم فرماتے ہیں: یہ مجہول ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "فيه نظر"..... "اس پر کلام ہے۔"

ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "يروى الْمَنَاكِيْرَ عَنِ الْمَشَاهِيْرِ"..... "یہ مشہور راویوں سے منکر روایات نقل کرتا ہے۔"

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ضَعِيفٌ عَابِدٌ"..... "ضعیف عابد ہے۔"[2]

---

① میزان الاعتدال: ۱/ ۸۴.

② تهذيب التهذيب: ۲/ ۹۰۵.

اس کے بعد آپ ان سوالات کو تلاش کریں، اوران پر غور کریں جو سوال شاگردوں نے اپنے شیوخ واساتذہ سے (دوسروں کے بارے میں) کیے ہیں۔

(3) عبدالرحمن بن عبداللہ العمری:

چنانچہ ابوعبید الاجری فرماتے ہیں کہ میں نے ابوداوٗد سے عبدالرحمن بن عبداللہ العمری کے بارے میں سوال کیا، تو ابوداوٗد رحمہ اللہ نے فرمایا: ((لَا يُكْتَبُ حَدِيْثُهُ.)) ''اس کی بیان کردہ حدیث مت لکھو۔''

(4) خالد بن عمر السعیدی:

اور کہتے ہیں کہ میں نے ابوداوٗد ہی سے سنا وہ خالد بن عمر السعیدی کے بارے میں فرماتے ہیں: ((لَيْسَ بِشَيْءٍ)) ''یہ کچھ بھی نہیں'' (یعنی رواۃ حدیث میں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے)۔

(5) عبدالقدوس الشافی:

ابوعبید کہتے ہیں کہ میں نے ابوداوٗد سے عبدالقدوس الشافی کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: ((لَيْسَ بِشَيْءٍ وَابْنُهُ شَرٌّ مِنْهُ)) ''یہ کچھ بھی نہیں، اوراس کا بیٹا اس سے بھی بدتر ہے۔''

ائمہ کا ان لوگوں پر تنقید کرنا دفاع دین کے لیے تھا، اوراس بات کی دعوت تھی کہ ہر راوی کو وہ مقام دو جس کا وہ لائق وحقدار ہے۔ یہ ان کی دینی حمیت وغیرت تھی اور اُمت کے لیے خیر خواہی اور حق کا اقرار تھا، وہ اس بارے میں کبھی کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرے باوجود اس بات کے کہ جن پر ان ائمہ نے جرح کی ہے وہ دیندار اور صاحب فضیلت لوگ تھے، اگر کوئی کتب تاریخ کو پڑھ کر دیکھے تو وہ ان کے بڑے فضائل ومناقب پائے گا، جن سے اس دور کے مخالفین کم ہی متصف ہوں گے۔

ان باتوں سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ ہم اہل بدعت اور غلط منہج پر چلنے والے مسلمان لوگوں کی

نیکیوں کو رائیگاں و باطل قرار دیتے ہیں، جس طرح بعض لوگوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے، اور دشمنی کی وجہ سے ان علماء پر یہ الزام لگایا ہے، جو علماء منہج سلف پر چل رہے ہیں۔ بلکہ ہم تو انہیں یہ کہتے ہیں کہ ان کی نماز و روزہ، حج، زکوٰۃ اور دوسرے اعمالِ صالحہ کو فائدہ دیں گے، باقی ان کا معاملہ قیامت کے دن اللہ کے سپرد ہے۔ لیکن دعاۃ (خطباء و واعظین) پر یہ بات لازم ہے کہ وہ لوگوں کو ان کی بدعتوں اور غلطیوں سے ڈرائیں۔

امام بربہاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وذلک أن السنة والجماعة قد أحكما أمر الدين كله، وتبين للناس، فعلى الناس الاتباع.))

''یہ اس لیے کہ سنت و جماعت نے پورے دین کے معاملہ کو مستحکم کر دیا ہے، اور لوگون کے سامنے یہ دین واضح ہو چکا ہے لہٰذا لوگوں پر اتباع و پیروی لازم ہے۔''

یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ دین اسلام صرف وہی ہے، جس پر اللہ کے نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عمل پیرا تھے اور یہی دین ہے جس کو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پسند کیا اور چنا ہے۔ دین اسلام کے علاوہ اللہ کے ہاں کوئی دین قابل قبول نہیں۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿١١٥﴾﴾

(النساء:۱۱۵)

''جو شخص باوجود راہِ ہدایت کے واضح ہو جانے کے، رسول کی مخالفت کرے، اور تمام مومنوں کی راہ چھوڑ کر چلے، ہم اسے اُدھر ہی متوجہ کریں گے جدھر وہ خود متوجہ ہوا۔ اسے دوزخ میں ڈال دیں گے۔ وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔''

اللہ نے اپنے بندوں کو اس چیز کی اتباع و پیروی کا حکم دیا ہے، جو اس نے اپنے رسول

کریم ﷺ پر نازل فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

(اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ)

(الاعراف:۳)

''تم لوگ اس کی پیروی کرو جو تمہارے رب کی طرف سے آئی ہے، اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسرے رفیقوں (دوستوں) کی اتباع مت کرو۔''

امام بربہاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((واعلم - رحمك الله - أن الدين إنما جاء من قبل الله تبارك وتعالى، لم يوضع على عقول الرجال وآرائهم، وعلمه عند الله وعند رسوله، فلا تتبع شيئا بهواك، فتمرق من الدين، فتخرج من الإسلام، فإنه لا حجة لك، فقد بين رسول الله صلى الله عليه وسلم لأمته السنة، وأوضحها لأصحابه وهم الجماعة، وهم السواد الأعظم، والسواد الأعظم: الحق وأهله.))

''یہ بات جان لو، اللہ آپ پر رحم کرے، دین اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے آیا ہے، یہ لوگوں کی عقلوں پر اور نہ ہی ان کی آراء واقوال سے تیار ہوا، اور اس (دین) کا علم بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی کے پاس ہے، پس آپ ذرہ بھر بھی اپنی خواہشات سے کسی چیز کی پیروی واتباع نہ کرو (اگر ایسا کرو گے) تو دین سے نکل جاؤ گے، اور اگر دین سے نکل گئے تو اسلام سے خارج ہو جاؤ گے، کیونکہ تمہارے لیے کوئی حیلہ وحجت نہیں رہ گئی ہے۔ یقیناً رسول اللہ ﷺ نے اپنی اُمت کے لیے سنت کو بیان کر دیا ہے، اور اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے سامنے اس کی وضاحت فرمادی ہے، اور صحابہ ہی جماعت ہیں اور وہی سوادِ اعظم ہیں، اور سوادِ اعظم ہی حق اور اہل حق ہیں۔''

مصنف رحمہ اللہ یہ بات بیان کررہے ہیں کہ اللہ نے دین (اسلام) کو ہر لحاظ سے مکمل کردیا ہے، چاہے وہ عقائد ہوں یا معاملات یا عبادات، احکامات ومعاملات کے لحاظ سے ہو یا پھر سلوک واخلاق کے لحاظ سے ہو، فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

(اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ)(المائدۃ:۳)

''آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کردیا ہے، اور اپنی نعمت کو تم پر پورا کردیا ہے۔ اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کیا ہے۔''

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک فوت نہیں ہوئے، جب تک اللہ نے ان کے ذریعے حجت قائم نہ کردی، اور ان کے ذریعے دلائل بھی بیان کردیے، یہ ایک بڑی نعمت اور احسان عظیم ہے۔ فَلِلّٰهِ الْحَمد والشكر والمنة.

اللہ کی عظیم نعمتوں میں سے ایک نعمت یہ بھی ہے کہ اس نے اس دین کی حفاظت کا ذمہ خود ہی لیا ہے (اللہ تعالیٰ نے) قرآن کو ہر قسم کی تحریف وتصحیف، اور ہر قسم کی کمی وزیادتی سے محفوظ رکھا، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

(اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝۹)(الحجر:۹)

''یقیناً ہم نے ہی اس قرآن کو نازل کیا ہے، اور ہم خود ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''

قرآن کی حفاظت یہ بھی ہے کہ اس چیز کی حفاظت کی جائے جو قرآن کی وضاحت وتبیین کرتی ہے۔ یعنی سنت (حدیث)، جو دوسری وحی ہے۔ اس (حدیث) کے بغیر کسی ایک کے لیے بھی یہ بات ممکن نہیں کہ وہ عقائد کے بہت سارے مسائل کو جان سکے۔ اور حدیث کے بغیر بہت سارے مسائل حلال وحرام کو جاننا بھی ممکن نہیں، بلکہ اس (حدیث) کے بغیر کسی کے لیے یہ بات بھی ممکن نہیں کہ وہ یہ جان سکے کہ وہ اپنے رب کی عبادت کس طرح کرے گا، چاہے وہ عبادت نماز ہو یا روزہ، حج ہو یا زکوۃ وغیرہ۔

جب اللہ تعالیٰ کسی بات کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے لیے اسباب بھی پیدا فرما دیتا ہے۔ تو اللہ نے حفاظت قرآن وسنت کے لیے اسباب پیدا کیے ہیں، اس کے لیے اس مبارک گروہ کو چن لیا جو کہ صحابہ کا گروہ ہے، جس کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کے لیے پسند فرمایا اور اپنے دین کی نشر واشاعت، اور ان (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کے بعد والوں تک دین پہنچانے کے لیے چن لیا، اور تیرا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، اور جسے چاہتا ہے، چن لیتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے اس عظیم نعمت کو ہر طرح سے حاصل کیا، اور اس اہم اور بڑے کام کو خوش اسلوبی سے ادا کیا، اور انھوں (صحابہ کرام) نے اپنی عظیم تر کوششیں اس میں صرف کر دیں، جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا دور ختم ہو گیا۔ تو اس مقام پر ایک اور گروہ اس نعمت کو تھامنے کے لیے منتظر کھڑا تھا، جس کو اللہ نے اس دین کی حفاظت کے لیے پیدا کیا تھا، وہ گروہ تابعین کا گروہ ہے، جنھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے علم حاصل کیا تو انھوں نے بھی دین کو بڑے اچھے انداز میں بلند وقائم کیا (یعنی وہ دین کو لے کر اُٹھے) اس طرح جب ایک گروہ ختم ہوتا تو دوسرا گروہ آجاتا، جس کو اللہ تعالیٰ نے مضبوط ایمان، علم نافع اور عمل صالح سے نواز رکھا ہوتا ہے، وہ اس عظیم کام کو مکمل اخلاص اور کوشش کے ساتھ اٹھا لیتا ہے، اپنے بعد والوں کی طرف بڑھا دیتا ہے، اور ان کے ہاتھوں میں تھما دیتا ہے، یہی سلسلہ قیامت تک چلتا رہے گا۔

یہ اللہ کا اس اُمت پر فضل واحسان ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اور نہ ہی قرآن کے بعد کوئی اور کتاب نازل ہوگی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمت قیامت تک باقی رہے گی، کیونکہ یہ اُمتوں میں سے آخری اُمت ہے، تو اللہ کی وسیع رحمت نے یہ تقاضا وفیصلہ کیا کہ اس نے ہر زمانے میں ایسے لوگ پیدا کر دیئے جنھوں نے دفاعِ دین کی خاطر اپنی تمام تر صلاحتیں اس پر صرف کر دیں۔ کتاب وسنت کے توسط سے (یعنی کتاب وسنت کا علم حاصل کر کے) اس کو لوگوں تک پہنچا دیا، تا کہ لوگوں کے لیے اللہ کے رسولوں کے آجانے کے بعد کوئی حجت ودلیل باقی نہ رہے۔

امام بربہاری رحمہ اللہ کہتے ہیں:

((فتمرق من الدين فتخرج من الاسلام))

''جو دین سے نکلے گا تو وہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔''

مناسب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے تحت امام ابن جریر رحمہ اللہ کی تفسیر ذیل میں نقل کردی جائے۔

(فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ)(آل عمران:۷)

''پس جن لوگوں کے دلوں میں کجی (ٹیڑھاپن) ہے، وہ تو اس کی متشابہ آیتوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں۔''

سیّدنا قتادہ رحمہ اللہ جب یہ آیت پڑھتے (فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ) تو فرماتے: اگر اس سے مراد حروریہ (خوارج اور سبائی) شیعہ نہیں تو پھر میں نہیں جانتا کہ وہ کون لوگ ہیں۔ اللہ کی قسم! اہل بدر اور اہل حدیبیہ جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیعت رضوان کے موقع پر موجود تھے، مہاجرین وانصار میں سے لوگوں کے لیے ایک خبر ہے، جو اس خبر کو طلب کرے، اور ہر اس شخص کے لیے عبرت ہے، جو عبرت پکڑنا چاہتا ہے، اور اس شخص کے لیے بھی جو عقل وبصارت رکھتا ہے، جب خوارج کا ظہور ہوا، تو اس وقت مدینہ، عراق وشام میں کئی صحابہ کرام موجود تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن بھی زندہ تھیں، ان میں سے نہ کوئی مرد اور نہ ہی کوئی عورت خارجی ہوا، اور نہ ہی انھوں نے اس چیز پر رضامندی کا اظہار کیا، جس پر خوارج عمل پیرا تھے، اور نہ ہی کبھی ان کی طرف مائل ہوئے۔

بلکہ وہ تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے ذریعے ان کے عیوب (جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے تھے) بیان کرتے، اور ان کی نشانیاں وعلامات ذکر کرتے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی تھیں۔

بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تو اپنے دلوں میں ان کے لیے بغض اور زبانوں کے ذریعے دشمنی رکھتے تھے، اور جب وہ میدان میں ایک دوسرے سے ملے تو اللہ نے صحابہ کے ہاتھوں

ان پر سختی کی، اللہ کی قسم! اگر خوارج کا معاملہ صحیح ہوتا تو یہ متحد رہتے، جب کہ یہ گمراہ تھے، تبھی تو فرقوں میں بٹ گئے۔

اور اس طرح ہر وہ معاملہ جو اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہو، اس میں شدید قسم کا اختلاف ہوتا ہے، وہ اس چیز پر ایک لمبا عرصہ چمٹے رہے تو کیا وہ اس کے ذریعے کامیاب ہوگئے؟ یا پھر انھوں نے اس کے ذریعے نجات پائی؟ سبحان اللہ! اس قوم کے بعد میں آنے والے پہلوں سے عبرت کیوں نہیں پکڑتے؟ اگر یہ لوگ ہدایت پر ہوتے تو ضرور اللہ ان کو غلبہ عطا کرتا، ان کو کامیاب کرتا، اور ان کی مدد کرتا، لیکن یہ باطل طریقے پر تھے۔ اللہ نے ان کو جھوٹا قرار دیا، (لوگوں کے ذریعے) اور ان کی دلیل کو باطل کر دیا۔

تم (غور وفکر کے بعد) دیکھوگے کہ جب کبھی بھی ان کا کوئی گروہ نکلا، اللہ نے ان کی باتوں کو جھٹلا دیا، اور ان کے خونوں کو لوگوں کے ذریعے بہا دیا، ان سے بچو، اللہ کی قسم! یہ ان کا برا دین ہے، اس سے دور رہو۔ اللہ کی قسم! یہودیت بدعت ہے، عیسائیت بدعت ہے، (حروریہ) خارجیت بدعت ہے، سبائیت (شیعیت) بدعت ہے۔ نہ ہی اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں کتاب نازل فرمائی۔ اور نہ ان کو نبی کریم ﷺ نے سنت قرار دیا ہے۔

امام بربہاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((فمن خالف أصحاب رسول الله ﷺ في شيءٍ من أمر الدين فقد كفر.))

"جس نے دینی معاملات میں سے کسی ایک معاملہ میں بھی نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی مخالفت کی اس نے یقینی طور پر کفر کیا۔"

کفر کی دو قسمیں ہیں:

(1) کفر اعتقادی:..... اس کفر کی وجہ سے انسان ملت اسلامیہ سے خارج ہو جاتا ہے۔

(2) کفر عملی:..... کفر کا مرتکب اس وقت تک دائرہ اسلام میں رہتا ہے، جب تک وہ ایسے اعمال سرانجام نہ دے جو کہ ایمان کے منافی ہوں۔ مثلاً بتوں کو سجدہ کرنا اور قرآنِ مجید

کی توہین کرنا وغیرہ۔[1]

ہاں! جو شخص عقیدہ کے معاملات میں صحابہ کی مخالفت کرے جو کسی تاویل کے قابل نہ ہو وہ کفر اکبر کا مرتکب ہے۔ اور جو شخص عقیدے کے علاوہ اور معاملات میں صحابہ کی مخالفت کرتا ہے تو وہ اہل السنہ (اہل الحدیث) کے زمرہ سے خارج وعید کا مستحق ہوگا۔ مثلاً روافض (شیعہ) معتزلہ، اشاعرہ وغیرہ ہیں، جنھوں نے تاویل وتحریف کا ارتکاب کرکے منہج صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے انحراف کیا ہے۔

① (نوٹ):..... یہ تقسیم اہل علم کے ہاں مشہور ومعروف ہے۔ یہ کوئی من گھڑت اور نئی تقسیم نہیں ہے۔ ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہاں ایک اور قاعدہ ہے وہ یہ کہ کفر کی دو قسمیں ہیں:

1۔ کفر عملی۔

2۔ کفر (جحود) انکاری وعنادی کفر۔

کفر جحودی وانکاری..... یہ ہے کہ انسان اس چیز کا انکار کرے، جس کے بارے میں وہ جانتا ہے کہ یہ بات محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف سے لے کر آئے ہیں اور اللہ کے اسماء وصفات اور افعال وکلام کا صرف ضد اور عناد کی بنیاد پر انکار کرے، یہ کفر ہر طرح سے ایمان کے منافی ہے۔ پھر کفر عملی کی بھی دو اقسام ہیں:

(۱) جو ایمان کے منافی ہو۔

(۲) جو ایمان کے منافی نہ ہو۔

چنانچہ بتوں کو سجدہ کرنا، قرآن مجید کی توہین کرنا، نبی کو قتل کرنا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینا وغیرہ ایمان کے منافی ہیں۔

بدعات سے اجتناب کرنا

امام بربہاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((واعلم أن الناس لم يبتدعوا بدعة قط حتى تركوا من السنة مثلها، فاحذر المحدثات من الأمور، فإن كل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة، والضلالة وأهلها في النار.))

''یہ بات آپ کے علم میں ہونی چاہیے کہ جب کبھی بھی لوگ بدعت گھڑتے ہیں تو نتیجتاً وہ اس کے بدلے میں اس جیسی ایک سنت کو چھوڑ دیتے ہیں۔ تو آپ من گھڑت امور سے بچیے کیونکہ ہر نیا کام من گھڑت اور بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے، اور ہر گمراہی کا مرتکب (گمراہ) جہنم میں جائے گا۔''

ابو اسماعیل الہرویؒ اپنی کتاب ''ذم الكلام وأهله'' میں اپنی سند سے حسان بن عطیہ سے یہ بات نقل کرتے ہیں:

((مَا ابْتَدَعَ قَوْمٌ فِي دِينِهِمْ بِدْعَةً إِلا نَزَعَ اللَّهُ مِثْلَهَا مِنَ السُّنَّةِ ثُمَّ لَا يَرُدُّهَا عَلَيْهِمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ))[1]

''کوئی بھی قوم اپنے دین میں کوئی بدعت ایجاد نہیں کرتی مگر اللہ ان سے اس جیسی سنت کو اُٹھا لیتے ہیں، پھر اس سنت کو قیامت تک ان کے پاس نہیں لوٹاتے۔''

اور اسی طرح (ابو اسماعیل الہروی) امام اوزاعی سے نقل کرتے ہیں۔ امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((إنكم لا ترجعون عن بدعة إلا تعلقتم بالأخرى هي أضر عليكم

[1] سنن دارمی، المقدمة، رقم:۹۹.

منها.))

''تم ایک بدعت کو چھوڑتے ہو اس کے بدلے اس سے زیادہ ہلاکت خیز بدعت کو اختیار کر لیتے ہو۔''

اسی طرح سفیان ثوری رحمہ اللہ سے بھی منقول ہے، وہ کہتے ہیں:

((البدعة أحب إلى إبليس من المعصية لأن المعصية يُتابُ منها، والبدعة لا يُتابُ منها.))[1]

''شیطان کو بدعت نافرمانی و گناہ سے زیادہ محبوب و پسند ہے۔ کیونکہ گناہ نافرمانی سے تو توبہ کر لی جاتی ہے مگر بدعت سے توبہ اکثر نہیں کی جاتی۔''

اسی طرح ارطاۃ بن منذر السکونی رحمہ اللہ سے منقول ہے، وہ کہتے ہیں:

((يَا أَبَا مُحَمَّدٍ! لَأَنْ يَكُوْنَ ابنِي فَاسِقًا مِن الْفُسَّاقِ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ يَكُونَ صَاحِبَ هَوَى.))

''اے ابو محمد! میرا بیٹا فاسق و فاجر ہو جائے مجھے یہ تو پسند ہے، مگر یہ چیز پسند نہیں کہ وہ خواہش پرست، بدعتی ہو جائے۔''

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ان لوگوں کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''جو طلب اصلاح کے لیے قرآن سننے اور قصوں کے سننے میں کوئی فرق نہیں سمجھتے، اسی وجہ سے شریعت نے اس شخص کا رد بڑے جزم (اہتمام) کے ساتھ کیا ہے، جو بدعت ایجاد کرتا ہے، اور اگر کوئی شخص اس سے برابر سرابر بچ نکلے تو یہ ایک ہلکا و معمولی معاملہ ہوگا، مگر لازمی طور پر یہ دل اور دین میں فساد پیدا کرتا ہے، جو اس کے اندر شریعت کی منفعت کی کمی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے، کیونکہ دل بیک وقت سنت اور بدعت دونوں کی گنجائش نہیں رکھتا۔''

---

[1] شرح السنة، للبغوی.

مغربی فضلاء (مفکرین) میں سے کسی کا قول ہے کہ ''ایسی کتابوں سے سیرابی وغذا (روحانی) حاصل کرنا جو نہ تو کتاب وسنت سے ماخوذ ہوں اور نہ ہی آثار صحابہ سے، بلکہ ان کا ماخذ انسانی سوچ اور تجربہ ہو، تو ایسی کتابیں علم اور طریقۂ سلف سے فائدہ اٹھانے سے مانع ہوتی ہیں۔ (لہٰذا ایسی کتابوں کو پڑھنا صحیح نہیں ہے) کیونکہ (دو) متضاد غذاؤں کا جمع ہوجانا ناممکن ہے، ہم نے دیکھا ہے کہ ایسے لوگوں (جو مذکورہ بالا کتابیں پڑھتے ہیں) میں آثار مرض آہستہ آہستہ ظاہر ہوتے ہیں۔

پہلے پہل تو وہ اپنے آپ میں قید ہوجاتے ہیں، اور سمٹنے لگتے ہیں۔ اور یہ چیز سماج سے کنارہ کشی کے سبب ہوتی ہے۔ پھر وہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا چھوڑ دیتے ہیں، یہ کہتے ہوئے کہ یہ ائمہ حکومتی مولوی اور عمال ہیں، اور یہ وظیفہ خور اور تنخواہ دار امام ہیں۔ یہ ان پر شیطان کا پہلا وار ہوتا ہے، پھر آہستہ آہستہ اس سے بڑی گمراہی میں واقع ہوجاتے ہیں۔ چند مہینے یا سال ہی گزرتے ہیں کہ وہ حکومت اور جو حکومت کے ساتھ تعلق رکھتے ہوں ان کو کافر کہنا شروع کردیتے ہیں، پھر بیماری اور بڑھتی ہے اور اپنے عروج کو پہنچتی اور مکمل ہوجاتی ہے، اس وقت وہ ان کو کافر قرار دیتے ہیں۔

ان کو اس بات کا علم ہی نہیں ہوتا کہ وہ اپنے اس رویہ سے دشمنانِ دین یعنی یہود ونصاریٰ کے ہاتھ مضبوط کررہے ہیں، اور ان کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ انہیں لوگوں کی وجہ سے دعوت اسلامیہ کو ہر شہر میں اس کے پھلنے پھولنے اور مضبوط ہونے سے پہلے ہی ختم کردیا جاتا ہے۔ واقعات اس بات کے گواہ ہیں۔''

امام بربہاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((واحذر صغار المحدثات من الأمور، فإن صغير البدع يعود حتى يصير كبيرا.))

''چھوٹی چھوٹی بدعتوں سے بھی بچو، کیونکہ چھوٹی بدعتیں ہی چلتے چلتے بڑی ہوجاتی

ہیں۔''

علامہ بربہاری کی یہ بات صحیح ہے، اور علماء اہل السنہ (اہل الحدیث) کی زبانوں پر مشہور ہے۔

سیّدنا ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: ''اے ابوعبدالرحمن! میں نے ابھی مسجد کے اندر ایک چیز دیکھی ہے جو مجھے عیب دار لگی ہے، مگر الحمدللہ! میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس میں خیر و بہتری ہے۔ سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ کیا ہے؟ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر زندہ رہے تو آپ اس کو خود ہی دیکھ لیں گے۔ سیّدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ میں نے مسجد میں چند ایک حلقے دیکھے ہیں، وہ بیٹھ کر نماز کا انتظار کر رہے تھے، ان کے ہاتھوں میں کنکریاں تھیں، اور ان میں سے ایک آدمی ان کو حکم دیتا کہ سو دفعہ ''الله أكبر'' کہو، تو وہ سو دفعہ ''الله أكبر'' کہتے ہیں، پھر وہ ان کو کہتا ہے کہ سو دفعہ ''لا إله إلا الله'' کہو، تو وہ سو دفعہ ''لا إله إلا الله'' کہتے۔ پھر وہ ان سے کہتا ہے کہ سو دفعہ ''سبحان الله'' کہو، تو وہ سو دفعہ ''سبحان الله'' کہتے۔

سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا: آپ نے ان سے یہ کیوں نہ کہا کہ وہ اپنی برائیاں اسی طرح گنیں، اور ان کو آپ یہ ضمانت دیں کہ اس طرح کرنے سے ان کی نیکیاں ذرہ بھر بھی ضائع نہ ہوں گی۔ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، پھر عبداللہ بن مسعود چل پڑے تو ہم بھی ان کے ساتھ چل پڑے، یہاں تک کہ عبداللہ بن مسعود ان حلقوں میں سے ایک حلقے والوں کے پاس کھڑے ہو گئے۔ ان سے کہا: تم یہ کیا کر رہے ہو؟ انھوں نے کہا کہ: اے ابوعبدالرحمن! یہ کنکریاں ہیں جن پر ہم ''الله وكبر، لا إله إلا الله'' اور ''سبحان الله'' کو گنتے ہیں۔ سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''تم ان پر اپنے گناہوں کو گنو، میں تم لوگوں کو ضمانت دیتا ہوں کہ اس طرح تمہاری نیکیاں ضائع نہیں ہوں گی۔'' اے امت محمد! افسوس تم ہلاکت کی طرف کتنی جلدی چل پڑے، ابھی تو تمہارے اندر تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کئی صحابہ زندہ ہیں، اور یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کپڑے ہیں جو

ابھی پرانے نہیں ہوئے، اوران کے برتن ابھی ٹوٹے نہیں۔

اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! بے شک تم (اپنے زعم میں) ایسی ملت ودین پر ہو جو ملت دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہدایت یافتہ ہے، یا پھر تم گمراہی کا دروازہ کھولنے والے ہو، ان لوگوں نے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! ہم تو صرف خیر خواہی کا ارادہ رکھتے ہیں۔ سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کتنے ہی خیر کا ارادہ ونیت رکھنے والے ہیں جو خیر کو پہنچ نہیں پاتے، بے شک ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ ایسی قومیں آئیں گی کہ جو قرآن کو پڑھیں گے، مگر قرآن ان کے حلقوں سے نیچے نہیں اُترے گا۔ اللہ کی قسم! میں سمجھتا ہوں کہ ان کی اکثریت تم میں سے ہے، پھر وہ وہاں سے پھرے اور واپس چلے گئے۔

عروۃ بن سلمہ کہتے ہیں کہ ہم نے ان کی اکثریت کو دیکھا کہ جنگ نہروان کے دن وہ ہم پر نیزے برسا رہے تھے۔[1]

یہ اثر بدعت اور اہل بدعت کے خطرات کی طرف رہنمائی کرتا ہے، اور بدعت کا انجام یہ ہے کہ آخر کار اہل بدعت اہل توحید سے جنگ وجدل کرتے ہیں اور یہ کہ چھوٹی بدعت بڑھ کر بڑی ہو جاتی ہے۔

امام بربہاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((وكذلك كل بدعة أحدثت في هذه الأمة، كان أولها صغيرا يشبه الحق، فاغتر بذلك من دخل فيها، ثم لم يستطع الخروج منها، فعظمت وصارت دينا يدان به فخالف الصراط المستقيم، فخرج من الإسلام.))

''اسی طرح ہر وہ بدعت جو اس امت کے اندر پیدا ہوتی ہے وہ ابتداء میں چھوٹی تھی اور حق کے متشابہ تھی، جو اس میں داخل ہوا، اس نے اس سے دھوکہ کھایا، پھر اس بدعت سے نکلنے کی اس میں ہمت نہ رہی، پھر یہ بڑھتے بڑھتے ایک الگ دین بن گیا

[1] سنن دارمی، المقدمة، رقم:٢١٠.

جس کو اس نے اختیار کیا تو (نتیجتاً) اس نے صراطِ مستقیم کی مخالفت کی اور اسلام سے نکل گیا۔"

اس بات پر عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا وہ اثر دلالت کرتا ہے جو انہوں نے ایک آدمی کو خط لکھتے ہوئے تحریر فرمایا:

((سَلَامٌ عَلَیْکَ.))..... "تجھ پر سلام وسلامتی ہو" اس کے بعد میں تجھے اللہ کے دین پر انحصار اور آپ ﷺ کی سنت کی اتباع پر اکتفا کرنے کی نصیحت کرتا ہوں، اور اس سے بچنے کی جسے بعد والوں نے گھڑا ہے، آپ کی سنت جاری ہو چکی، اور اس پر کافی عمل کیا جا چکا ہے، پھر یہ بات بھی تیرے ذہن نشین ہو جائے کہ جب بھی کوئی بدعت آتی ہے تو اس (بدعت) سے پہلے جو چیز معتبر ہوتی ہے وہ چلی جاتی ہے، لہٰذا سنت کو لازم پکڑو کیونکہ سنت وہ چیز ہے جس پر وہ لوگ چلے جو یہ جانتے تھے کہ اس (سنت) کے برعکس اور مقابل ومعارض گمراہی، غلطی، جہالت، اور حماقت و بے وقوفی ہے، لہٰذا اپنے نفس کو اس چیز پر راضی کر جس پر قوم (صحابہ) نے اپنے نفسوں کو راضی کیا، بے شک انہوں نے علم کی بنا پر توقف اختیار کیا اور گہری بصیرت کی وجہ سے رُکے رہے۔

وہ معاملات کو کھولنے پر زیادہ قادر تھے، اور اگر اس میں فضیلت ہوتی تو وہ اس کے زیادہ مستحق وحق دار تھے، کیونکہ وہ تم سے پہلے گزرے ہیں۔ اور اگر وہ چیز ہدایت ہوتی جس پر تم ہو تو وہ تم سے پہلے کر چکے ہوتے، تو پھر تم عذر پیش کرو کہ یہ معاملات ان کے بعد پیش آئے ہیں، تو لامحالہ ان اُمور کو انہوں نے ہی گھڑا ہوگا، جو ان کے راستے کے علاوہ دوسرے راستے کی پیروی کرتے ہیں اور خود کو ان سے بیزار سمجھتے ہیں۔ انھوں نے گفتگو کر لی ہے ان سے زیادہ کوئی دین میں غیر ضروری چیزوں سے احتیاط کرنے والا نہیں اور ضرورت کی چیزوں کو

ان سے زیادہ کرید نے والا نہیں، اور کچھ لوگوں نے ان سے کمی کی تو وہ پھسل گئے، اور کچھ لوگ ان سے آگے بڑھ گئے تو انہوں نے غلو کیا۔

جبکہ سلف ان دونوں (افراط وتفریط) کے درمیان صراطِ مستقیم پر تھے، اگر تو یہ کہے کہ فلاں فلاں آیت کہاں جائے گی؟ اور اللہ نے ایسے ایسے کیوں کہا؟ تحقیق انہوں نے بھی وہی پڑھا جو تم نے پڑھا، اور اس کی تفسیر کو جانا جس کی تفسیر وتاویل سے تم ناآشنا وجاہل ہو، پھر ان ساری باتوں کے بعد انہوں نے کہا: ''ہدایت یافتہ وہی ہوسکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت کی توفیق دے، کیونکہ ہدایت کی توفیق دینا، اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، اور وہی جانتا ہے کہ ہدایت کے قابل کون ہے۔''

مخالفین وحی الٰہی کا طریقہ و منہج

جو لوگ وحی الٰہی کی مخالف کرتے ہیں، ان کے منہج میں ''ابتداع'' یعنی بدعت بھی شامل ہے۔

بدعت:

یہ ایک عظیم معاملہ ہے۔ اس بدعت کی وجہ سے ہی عقیدہ میں تبدیلی اور شریعت میں تغیر واقع ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

(اَمۡ لَهُمۡ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوۡا لَهُمۡ مِّنَ الدِّيۡنِ مَا لَمۡ يَاۡذَنۡۢ بِهِ اللّٰهُ ؕ)

(الشوریٰ:۲۱)

''کیا ان لوگوں نے ایسے (اللہ کے) شریک (مقرر کر رکھے ہیں) جنہوں نے ان کے لیے ایسے (احکام) دین میں مقرر کر دیے ہیں جو اللہ کے فرمائے ہوئے نہیں ہیں۔''

اسی لیے اللہ تعالیٰ کے نبی محمد ﷺ نے اپنے اس خطبہ میں بدعت سے ڈرایا جس کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں: ''گویا کہ وہ ہمیں الوداعی خطبہ محسوس ہونے لگا تھا۔''

سیّدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں وعظ فرمایا، ایسا وعظ جس کی وجہ سے آنکھیں بہہ پڑیں، اور دل کانپ اٹھے، ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ کسی الوداع کرنے والے کا وعظ لگتا ہے، ہمیں نصیحت کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں، بات سننے اور اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں، اگرچہ تم پر کسی حبشی غلام کو بھی امیر کیوں نہ مقرر کر دیا جائے (اس کی بھی اطاعت

کرو) بے شک تم میں جو کوئی میرے بعد زندہ رہے گا، وہ بہت بڑا اختلاف پائے گا۔"

وہ یہی بدعت ہے، اور یہ اُمت کی لاعلاج بیماری ہے، جس کی دوا اور علاج اللہ کے نبی ﷺ نے بیان فرما دیا، آپ ﷺ نے فرمایا:

"تم پر میری اور میرے بعد میرے خلفاء راشدین کی سنت لازم وضروری ہے اس کو مضبوطی کے ساتھ اپنی داڑھوں میں جکڑ لو، خبردار! نئے اُمور سے بچنا، کیونکہ ہر بدعت ضلالت وگمراہی ہے۔"①

اور اللہ کے نبی ﷺ اپنے خطبہ مبارک میں بدعت سے ڈرایا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کی حدیث ہے:

((مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ.))

"جس نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی بات گھڑی جو اس دین میں نہیں تو وہ مردود ہے۔"②

ہر وہ شخص جس نے کوئی نئی بات گھڑی، اور اس کو دین کی طرف منسوب کیا حالانکہ وہ دین کی بات نہیں ہے، اور نہ اس کی دین میں کوئی دلیل ہے تو وہ گمراہی ہے، دین کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے، چاہے وہ اعتقاد وعقیدہ سے تعلق رکھتی ہو، جیسے قبر پرست لوگوں کی بدعات، یا پھر مؤولہ (صفات باری میں تاویل کرنے والوں) کی بدعات ہوں، یا مشبهة (خالق کو مخلوق کے ساتھ تشبیہ دینے والوں) کی بدعات ہوں، یا پھر ان بدعات کا تعلق اعمال سے ہو جیسے آجکل کی بہت سی موجودہ بدعات (مثلاً عید میلاد النبی، شب جمعہ اور محرم کی بعض بدعات) یا پھر ان بدعات کا تعلق اقوال سے ہو، جیسے آج کل کے من گھڑت اذکار وغیرہ، جو آپ ﷺ سے ثابت نہیں ہیں۔

---

① سنن ابی داؤد، کتاب السنة، رقم:۴۶۰۷۔ سنن ترمذی، کتاب العلم، رقم:۲۶۷۶۔ سنن ابن ماجه فی المقدمه، رقم:۴۲۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے "صحیح" کہا ہے۔

② صحیح بخاری، کتاب الصلح، رقم:۲۶۹۷۔ صحیح مسلم، کتاب الاقضیة، رقم:۱۷۱۸، عن عائشة رضی اللہ عنہا۔

یہ بات بھی آپ کے علم میں رہے کہ بدعات میں تفریق کرنا جائز نہیں، اور جو تقسیم بدعت حسنہ اور ''بدعت سیئۃ'' کی کی جاتی ہے، صحیح نہیں۔ یہ تقسیم نہ کتاب اللہ میں ہے، اور نہ ہی سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور نہ ہی آثارِ صحابہ سے ثابت ہے۔ بلکہ یہ بھی من گھڑت اور خود ساختہ تقسیم ہے۔

سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((كل بدعة ضلالة وإن رآها الناس حسنة.))[1]

''ہر بدعت گمراہی ہے، اگرچہ لوگ اس کو اچھا سمجھیں۔''

وحیٔ الٰہی سے انحراف کی روسی وجہ شریعت اور مصلحت کے درمیان موازنہ کرنا، (کہ جو زیادہ فائدہ مند ہو اس کو لے لو) بہت سارے لوگ نصوص وحی (قرآن وحدیث کے دلائل) صرف مصلحت کی بنا پر چھوڑ دیتے ہیں، حالانکہ اللہ ذوالجلال والاکرام کا فرمان ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾ (الاحزاب:۳۶)

''اور کسی مومن مرد اور مومنہ عورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کے بعد اپنے کسی امر (معاملہ) کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا (یاد رکھو) اللہ اور اس کے رسول کی وجو بھی نافرمانی کرے وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔''

سیّدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

((جَاءَنَا ذَاتَ يَوْمٍ رَجُلٌ مَنْ عُمُومَتِي، فَقَالَ: نَهَانَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَمْرٍ كَانَ لَنَا نَافِعًا، وَطَوَاعِيَةُ اللهِ وَرَسُولِهِ أَنْفَعُ لَنَا.))

''ایک دن ہمارے چچاؤں، یا ماموں میں سے ایک آدمی آیا، اس نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس کام سے منع کیا ہے (یہ زراعت وکھیتی باڑی کی ایک قسم کے بارے حکم

[1] السنة، للمروزی، رقم:۷۰۔ أصول اعتقاد اهل السنة، للالكلائی، رقم:۱۲۶۔ المدخل، للبيهقی، رقم:۱۹۱.

تھا) جو ہمارے لیے فائدہ مند تھا، مگر رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری ہمارے لیے اس سے بھی زیادہ فائدہ مند ہے۔''[1]

اس صحابی نے اپنی ذاتی مصلحت کو شریعت کی وجہ سے چھوڑ دیا تھا، اور یہی سلف صالحین رحمہم اللہ کا طریقہ کار تھا کہ وہ شریعت کے کسی حکم وامر کو چھوڑتے نہیں تھے، بلکہ تمام احکام واوامر پر عمل کیا کرتے تھے، اور سلف صالحین نہ ہی ان لوگوں میں سے تھے جو اپنی خواہشات کو اپنا الٰہ بنالیتے ہیں کہ اگر شریعت کا کوئی معاملہ ان کی طبیعت کے موافق ہو تو عمل کرلیا، اور اگر خواہش کے مطابق نہ ہو تو چھوڑ دیا، ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۡ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ﴾ (البقرة:۸۷)

''(کیا ایسا نہیں کہ) جب کبھی بھی تمہارے پاس رسول وہ چیز لائے جو تمہاری طبیعتوں کے خلاف ہو تو تم نے جھٹ سے انکار کیا۔ پس بعض کو تو تم نے جھٹلا دیا اور بعض (رسولوں) کو قتل کر ڈالا۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تو اپنی خواہشات کو اس چیز کے تابع کر دیا تھا جس کو نبی ﷺ لے کر آئے تھے۔

یزید بن عمیرہ سیّدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے تھے، یہ سیّدنا معاذ رضی اللہ عنہ کا معمول ذکر کرتے ہیں کہ وہ جب بھی محفل ذکر میں بیٹھتے تو فرماتے: اللہ حکمت اور عدل والا ہے، اور شک کرنے والے ہلاک ہوگئے، ایک دن سیّدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: تمہارے بعد بہت سارے فتنے ظہور پذیر ہوں گے، جن میں سے ایک فتنہ کثرتِ مال کا ہے اور قرآن کو کھول دیا جائے گا، یہاں تک کہ اس کو مومن ومنافق، مرد اور عورت، چھوٹے اور بڑے، غلام اور آزاد، سب دیکھیں گے، قریب ہے کہ ایک کہنے والا کہے کہ لوگوں کو کیا ہوگیا

[1] صحيح مسلم، كتاب البيوع، رقم:۱۵۴۸، عن رافع بن خديج رضي الله عنه

ہے کہ وہ میری اتباع نہیں کرتے، حالانکہ میں نے قرآن پڑھا ہے؟ لوگ میری پیروی نہیں کریں گے، یہاں تک کہ میں ان کے لیے اس کے علاوہ نئی چیز لے آؤں! لہٰذا تم اس بدعت سے بچتے رہو جس کو وہ گھڑے گا، یقیناً جو اس نے بدعت ایجاد کی ہے، وہ گمراہی ہے، اور سیّدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تمہیں حکیم (دانا) کے گمراہ کرنے سے ڈراتا ہوں، کیونکہ کبھی کبھار شیطان دانا آدمی کی زبان سے بھی گمراہی کا کلمہ کہلواتا ہے، اور کبھی کبھار منافق حق بات کہہ دیتا ہے؟ (یزید کہتے ہیں) میں نے سیّدنا معاذ رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: اللہ آپ پر رحم کرے، آپ ذرا مجھے پہچان کرا دیں کہ دانا آدمی بھی گمراہی کا کلمہ کہتا ہے، اور منافق بھی کلمہ حق کہہ سکتا ہے؟ سیّدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: کیوں نہیں! دانا کی ان مشہور باتوں سے بچو جس کے بارے میں یوں کہا جائے کہ یہ کیا ہے؟ دیکھنا کہیں یہ مشہور باتیں تمہیں صراطِ مستقیم سے بہکا نہ دیں کیونکہ ہو سکتا ہے وہ اس سے رجوع کر لے، اور حق کو سنتے ہی اپنا لو کیونکہ حق پر ایک نور ہوتا ہے۔"①

اس اثر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کبھی کبھار انسان کتاب وسنت کی طرف دعوت دینا صرف اس دلیل کی بنا پر ترک کر دیتا ہے کہ لوگ تکرار سے اُکتا چکے ہیں ان کی دلجوئی ضروری ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جامع مانع قول یہ ہے کہ شریعت کو کبھی کسی خاص مصلحت کی وجہ سے نہیں چھوڑا جا سکتا، بلکہ اللہ نے ہمارے دین کو مکمل کر دیا ہے، اور اپنی نعمت کو تمام کر دیا ہے، جو بھی چیز جنت کے قریب لے جا سکتی تھی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ضرور بیان فرما دیا ہے، اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایسی واضح وروشن شریعت پر چھوڑا ہے جس کی رات بھی دن کی طرح روشن ہے، اس سے روگردانی کرنا ہلاک ہونا ہے۔

لیکن جس شخص نے صرف عقل کی بنا پر مصلحت کو اپنا عقیدہ بنا لیا ہو اگرچہ شریعت

① سنن ابی داؤد، کتاب السنه، رقم: ۴۶۱۱. علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے "صحیح الاسناد" قرار دیا ہے۔

میں اس کے بارے میں کوئی دلیل وارد نہ ہوئی ہو، تو اس میں دو باتوں میں سے ایک ضرور ہوگی:

1:..... یا تو اس بارے میں شریعت میں رہنمائی ہوگی بایں طور کہ اس ناظر کو اس کا علم نہ ہوگا۔

2:..... یا تو پھر وہ سرے سے مصلحت ہی نہیں ہوگی اگر چہ یہ شخص بزعم خویش اس کو مصلحت سمجھتا ہو، کیونکہ مصلحت دراصل غالب مصلحت کو کہتے ہیں، اور لوگوں کو اکثر کسی چیز کے بارے میں یہ گمان ہوتا ہے کہ وہ چیز دین ودنیا دونوں کے لیے مفید ہے، حالانکہ اس میں فائدے کی بجائے نقصان زیادہ ہوتا ہے۔ جس طرح اللہ تعالی نے شراب اور جوا کے بارے میں ارشاد فرمایا:

﴿ قُلْ فِيهِمَآ إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَآ أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا ﴾ (البقرہ:۲۱۹)

''آپ کہہ دیجیے کہ ان دونوں (شراب اور جوا) میں بہت بڑا گناہ اور لوگوں کا اس میں دنیاوی فائدہ بھی ہے، مگر ان کا فائدہ ان کے گناہ سے بہت کم ہے۔''[1]

معاصرین علماء میں کسی کا یہ قول ہے:

''واجب ہے کہ اہل دعوت کی ڈکشنری سے لفظ ''دعوتی مصلحت'' نکال دیا جائے، کیونکہ یہ جملہ گمراہ کرنے والا اور شیطان کو گھسنے کا موقع فراہم کرنے والا ہے، وہ (شیطان) ان کے پاس اس راستہ سے آتا ہے جہاں سے نادر ہی آتا ہے۔ کبھی یہ دعوتی مصلحت بت میں تبدیل ہوجاتی ہے جس کی یہ دعوت دینے والے پرستش کرنے لگتے ہیں اور اس اصل منہج کو بھول جاتے ہیں جس منہج کی بنیاد قرآن وحدیث اور سلف صالحین رحمہم اللہ کی فہم پر ہے، مختلف قسم کے دعاۃ (جن کی دعوت الگ الگ طرز پر ہے) پر لازم ہے کہ وہ اصل منہج کو تھامے رکھیں، ان دعاۃ کو ہر دم ایک ہی خطرے سے بچتے رہنا چاہیے، وہ خطرہ منہج سلف

[1] مجموع الفتاوی:۱۱/ ۳۴۴.

سے ہٹ جانے کا ہے، چاہے منہج سلف سے انحراف کا سبب کچھ بھی ہو، اور چاہے انحراف تھوڑا ہو یا زیادہ، دونوں صورتوں میں وہ خطرناک ہے۔'' اللہ تعالیٰ ان سے کہیں زیادہ مصلحتوں کا علم رکھنے والا ہے وہ اس کے مکلف نہیں ہیں وہ ایک ہی بات کے مکلّف ہیں کہ منہج سلف صالحین سے انحراف نہ کریں، اور ان کے طریقہ وراستہ کو نہ چھوڑیں۔

وحی سے انحراف کی تیسری وجہ نصوص وحی کو رائے سے ٹکرانا ہے، جس کو قیاس فاسد کا نام دیا جاتا ہے، اس کے بارے میں فقہاء کہتے ہیں کہ نص کے مقابلہ میں قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔

سیّدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((سوف يأتي في آخر الزمان أقوامٌ يعارضون النصوص بآرائهم.))

''یقیناً آخری زمانے میں ایسے لوگ آئیں گے جو نصوص (قرآن وحدیث) کو اپنی آراء کے ساتھ ٹکرائیں گے۔''

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ وَلٰكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتّٰى إِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوسًا جُهَّالًا فَسُئِلُوا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا.))[1]

''اللہ تعالیٰ اس علم کو اس انداز سے نہیں اُٹھائے گا کہ اس کو علماء کے سینوں سے نکال دے، لیکن اللہ اس علم کو (اس دنیا سے) علماء کی وفات کے ذریعے اُٹھائے گا، یہاں تک کہ کوئی عالم باقی نہیں بچے گا، لوگ جاہلوں کو اپنا سردار عالم بنالیں گے۔ پس جاہلوں سے پوچھا جائے گا، اور وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے، خود بھی گمراہ ہوں گے، دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔''

[1] صحيح مسلم، كتاب العلم، رقم:١٠٠، عن عبدالله بن عمرو بن العاص رضي الله عنه.

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

((لَوْ كَانَ الدِّينُ بِالرَّأْيِ لَكَانَ أَسْفَلُ الْخُفِّ أَوْلَى بِالْمَسْحِ مِنْ أَعْلاهُ.))[1]

''اگر دین عقل کا نام ہوتا تو موزوں پر مسح اوپر کے بجائے پاؤں کے نیچے سے کرنا زیادہ بہتر ہوتا۔''

امام احمد بن حنبل رحمہ فرمایا کرتے تھے:

((عجبت لقوم عرفوا الإسناد وصحته ويذهبون إلى رأي سفيان والله تعالى يقول: ﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾﴾ (النور: ۶۳). أتدري ما الفتنة؟ الفتنة: الشرك. لعله إذا رد بعض قوله أن يقع في قلبه شيء من الزيغ فيهلك]))

''مجھے ان لوگوں پر تعجب ہوتا ہے، جو اسناد (سند حدیث) کو بھی جانتے ہیں، اور اس کی صحت کو بھی، اس کے باوجود سفیان رحمہ اللہ کی رائے کی طرح رجوع کرتے ہیں، باوجود اس بات کے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾﴾ (النور: ۶۳)

''سنو جو لوگ رسول کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈرنا چاہیے کہ کہیں ان پر کوئی زبردست آفت نہ آپڑے یا انہیں دردناک عذاب (نہ) پہنچے۔''

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کیا تو جانتا ہے کہ فتنہ کیا چیز ہے؟ فتنہ سے مراد شرک ہے۔ جب وہ بعض آیات کو ٹھکراتا ہے تو شاید کہ اس کے دل میں کچھ کجی و ٹیڑھا پن پیدا ہو جائے، اور وہ ٹیڑھا پن اس کو ہلاک کردے۔''

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الطهارة، رقم: ۱۶۲. علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

رائے کے ذریعے مخالفت ومعارضت کے کئی مناہج اور طریقے ہیں، ان میں سے ایک طریقہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ بعض لوگوں کے اندر زبردست قوت خطابت ہوتی ہے جس کا اسلوب وطریقہ کتاب وسنت کے مخالف ومعارض ہوتا ہے، اس لحاظ سے کہ وہ اپنے زورِ خطابت اور اندازِ بیان کے ذریعے حق کو باطل اور باطل کو حق کا رنگ دے دیتے ہیں، انہی کے بارے میں رب العزت نے خبردار فرمایا ہے:

(يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا ۚ)(الانعام:۱۱۲)

''ان میں سے بعض بعضوں کو (ایک دوسرے کو) چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے ہیں، تاکہ وہ ان کو دھوکہ میں ڈال دیں۔''

(وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ ۖ وَإِن يَقُولُوا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ۖ) (المنافقون:۴)

''جب آپ انہیں دیکھیں تو ان کے جسم آپ کو خوشنما معلوم ہوں، یہ جب باتیں کرنے لگیں تو آپ ان کی باتوں پر اپنا کان لگائیں۔''

باطل ہمیشہ چکنی چپڑی باتوں اور چرب زبانی کا محتاج رہتا ہے، اللہ ذوالجلال والاکرام کا ارشاد ہے:

(وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ ۚ)(محمد:۳۰)

''اور یقیناً آپ انہیں ان کی باتوں کے انداز وڈھنگ سے پہچان لیں گے۔''

سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((اقْتَتَلَتِ امْرَأَتَانِ مِنْ هُذَيْلٍ، فَرَمَتْ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى بِحَجَرٍ، فَقَتَلَتْهَا وَمَا فِي بَطْنِهَا. فَاخْتَصَمُوا إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَضَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ دِيَةَ جَنِينِهَا غُرَّةٌ عَبْدٌ أَوْ وَلِيدَةٌ، وَقَضَى بِدِيَةِ الْمَرْأَةِ عَلَى عَاقِلَتِهَا. وَوَرَّثَهَا وَلَدَهَا

وَمَنْ مَعَهُمْ، فَقَالَ حَمَلُ بْنُ النَّابِغَةِ الْهُذَلِيُّ: يَا رَسُولَ اللهِ، كَيْفَ أَغْرَمُ مَنْ لَا شَرِبَ وَلَا أَكَلَ، وَلَا نَطَقَ وَلَا اسْتَهَلَّ، فَمِثْلُ ذَلِكَ يُطَلُّ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّمَا هَذَا مِنْ إِخْوَانِ الْكُهَّانِ، مِنْ أَجْلِ سَجْعِهِ الَّذِي سَجَعَ))[1]

''قبیلہ ہذیل کی دوعورتیں آپس میں لڑ پڑیں، ایک نے دوسری کو پتھر مارا تو وہ خود بھی مرگئی، اور جو اس کے پیٹ میں بچہ تھا وہ بھی مر گیا۔ یہ لوگ اپنا جھگڑا لے کر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ نے فیصلہ فرمایا کہ پیٹ کے اندر موجود بچہ کی دیت ایک غلام یا لونڈی آزاد کرنا ہے، اور عورت کی دیت قاتلہ کے ماں باپ کے ذمہ لگادی اور (مقتولہ) کا وارث اس کے بیٹے، جو اس کے ساتھ تھے، ان کو بنادیا۔ تو حمل بن نابغہ الہذلی نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم اس کی دیت کیسے ادا کریں جس نے نہ کھایا، نہ پیا، نہ بولا اور نہ چیخ ماری، اس جیسوں کا خون تو رائیگاں ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تو نجومیوں کا بھائی لگتا ہے۔ یہ بات اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سجع کلام کی وجہ سے کہی تھی۔''

جاہل لوگ بھی نصوص کے ردّ میں ایسے ہی جواب دیتے ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ بھی ہے جس کو سیّدنا عبداللہ بن عمر اور سیّدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْراً.))[2]

''یقیناً بعض بیانوں میں جادو ہوتا ہے۔''

تو کسی چکنی چپڑی باتیں کرنے والے کی باتوں، اور ڈینگیں مارنے والے کی ڈینگوں، اور

---

① صحيح بخاري، كتاب الديات، رقم:٦٩١٠۔ صحيح مسلم، كتاب القسامة، رقم:١٦٨١.

② صحيح بخاري، كتاب النكاح، رقم:٥١٤٦۔ صحيح مسلم، كتاب الجمعة، رقم:٨٦٩.

منہ پھاڑ پھاڑ کر باتیں کرنے والوں کی باتوں سے دھوکہ نہ کھایئے، بلکہ فرمانِ باری تعالیٰ کے مصداق بنئے:

﴿فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ﴾ (الشوریٰ:۱۵)

''پس آپ لوگوں کو اسی (کتاب) کی طرف بلاتے رہیں، اور جو کچھ آپ سے کہا گیا ہے اس پر مضبوطی سے جم جائیں، اور ان کی خواہشوں پر نہ چلیں، اور کہہ دیں کہ اللہ نے جتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں میں ان پر ایمان لاتا ہوں۔''

4:..... نصوصِ وحی کی مخالفت کا چوتھا طریقہ جذبات کو فیصل بنانا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک مومن سے شریعت نے یہ مطالبہ کیا ہے کہ وہ مومنوں کے ساتھ تعلق رکھے، ان سے محبت کرے، ان پر غیرت کھائے اور اس سے شریعت اس بات کا بھی تقاضا کرتی ہے کہ وہ مومنوں کا دوست و مددگار ہو، اور شیطان سے دشمنی رکھے، محبت و دشمنی اللہ کے لیے کی جائے۔ اور یہ بات بھی لازم وواجب ہے کہ جذبات علم وعقل کے بعد ہو، ورنہ اگر جذبات کو علم وعقل پر مقدم رکھیں گے تو ہمارے طریقے ومنہج میں بہت بڑا بگاڑ پیدا ہوجائے گا، اللہ عزوجل کے اس فرمان پر غور کیجیے:

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِىٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ۭ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا ۭ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝﴾ (البقرہ:۲۴۶)

''کیا آپ نے سیّدنا موسیٰ کے بعد والی بنی اسرائیل کی جماعت کو نہیں دیکھا جب کہ انہوں نے اپنے پیغمبر سے کہا کہ کسی کو ہمارا بادشاہ بنادیجیے، تاکہ ہم اللہ کی راہ

میں جہاد کریں، پیغمبر نے کہا کہ ممکن ہے جہاد کے فرض ہو جانے کے بعد تم جہاد نہ کرو، انہوں نے کہا: بھلا ہم اللہ کی راہ میں جہاد کیوں نہیں کریں گے، ہم تو اپنے گھروں سے نکالے گئے ہیں، اور اپنے بچوں سے دور کیے گئے ہیں، پھر جب ان پر جہاد فرض ہوا تو ماسوائے تھوڑے لوگوں کے سب پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے، اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی اطاعت کی توفیق دے، دیکھئے جذبات کو فیصل بنانے کا کیا نتیجہ ہوا کہ بہت تھوڑے لوگوں کے علاوہ سب لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے، اور جب لشکر کو لیکر علیحدہ ہوئے تو طالوت کے ساتھ بہت کم لوگ ثابت قدم رہے۔ ہاں! یہ الگ بات ہے کہ اللہ نے چھوٹی سی جماعت کو بہت بڑی جماعت پر اپنی مدد کے ذریعے غلبہ عطا کیا۔

صلح حدیبیہ کے واقعہ کے بارے میں سیّدنا مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، میں نے عرض کیا کہ کیا آپ اللہ کے سچے نبی نہیں ہیں؟ آپ نے جواب ارشاد فرمایا: کیوں نہیں۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: کیا ہم حق پر اور ہمارا دشمن باطل پر نہیں ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیوں نہیں۔ میں نے عرض کیا: پھر ہم دین میں کیوں نرمی دکھائیں؟ آپ نے فرمایا: میں اللہ کا رسول ہوں، میں اس کی نافرمانی نہیں کرتا، وہی میرا حامی و مددگار ہے۔ میں نے عرض کیا کہ کیا آپ یہ بات بیان نہیں کرتے تھے، عنقریب ہم بیت اللہ جائیں گے اور اس کا طواف کریں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیوں نہیں۔ تو کیا میں نے تجھے یہ بھی کہا تھا کہ ہم اسی سال جائیں گے؟ میں نے عرض کیا: نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو بیت اللہ جائے گا اور اس کا طواف کرے گا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ابوبکر کے پاس آیا اور میں نے کہا: اے ابوبکر! یہ اللہ کے سچے نبی ہیں؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں۔ میں نے کہا: ہم حق اور ہمارا دشمن باطل پر نہیں؟ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیوں نہیں! میں نے کہا: تو پھر ہم

دین میں کمزوری کیوں دکھاتے ہیں؟ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے آدمی! وہ اللہ کے رسول ہیں وہ اپنے رب کی نافرمانی نہیں کرتے، اور وہی رب ان کا حامی وناصر ہے، تم ان کی اطاعت کو لازم پکڑو۔ اللہ کی قسم! وہ حق پر ہیں، میں نے کہا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے یہ نہ کہا کرتے تھے کہ عنقریب ہم بیت اللہ جائیں گے، اور اس کا طواف کریں گے؟ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیوں نہیں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کیا انہوں نے تمہیں یہ بھی کہا تھا کہ تم اسی سال جاؤ گے؟ میں نے کہا: نہیں، تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تو بیت اللہ میں جائے گا، اور اس کا طواف بھی کرے گا۔ میں نے اس لیے بہت سارے اعمال کیے ہیں۔ ①

یعنی سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد بہت سارے اعمال صالحہ (نیک اعمال) کیے تاکہ یہ نیک اعمال اس چیز کا کفارہ بن جائیں کہ وہ اس معاملہ میں ابتدائی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی نہ کر سکے۔

اس پورے واقعہ میں دو متضاد مواقف ہیں:

1۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا موقف، جو غیرت دینی، مسلمانوں کی محبت، جوش وجذبہ اور بہادری سے لبریز ہے، باوجود اس بات کے کہ اس حادثہ کے بارے میں ان کے علم میں پختگی نہ تھی۔

2۔ دوسرا موقف، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہے۔ یہ موقف شریعت کے عالم اور وحی الٰہی کو مضبوطی سے تھامنے والے کا موقف تھا۔ ادھر وہ دونوں (نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سیّدابوبکر رضی اللہ عنہ) سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بنسبت مسلمانوں پر زیادہ جذبہ والے تھے، پھر صلح حدیبیہ کے بعد اللہ رب العزت نے اس کو فتح قرار دیا۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ①﴾ (الفتح:۱)

''ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلی فتح دی۔''

---

① صحیح بخاری، کتاب الشروط، رقم:۲۵۸۱، عن المسعود بن مخرومة رضی اللہ عنہ.

اسی وجہ سے اس کے بعد سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اے عمر! تجھے تیری ماں گم پائے، تو نے تین دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنے پر اصرار کیا، وہ ہر دفعہ تجھے جواب دینا نہ چاہتے تھے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے اپنے اونٹ کو حرکت دی، اور مسلمانوں کے سامنے آ گیا اور میں ڈر رہا تھا کہ کہیں میرے بارے میں قرآن کی آیت نازل نہ ہو جائے۔ میں ادھر ہی گھومتا رہا، یہاں تک کہ آواز دینے والے نے میرا نام لے کر آواز دی۔ (سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) میں نے کہا میرے بارے میں قرآن نازل ہو گیا، میں اس بات سے ڈرتے ڈرتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ میں نے آپ کو سلام کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَقَدْ أُنْزِلَتْ عَلَيَّ اللَّيْلَةَ سُورَةٌ لَهِيَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ " ثُمَّ قَرَأَ: (اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝١).....))

''میرے اوپر رات ایک سورت نازل ہوئی ہے، جو مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب و پسندیدہ ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝١)..... ''یقیناً ہم نے آپ کو کھلی فتح دی''.....''[1]

عبداللہ بن احمد بن حنبل الشیبانی سے بھی ایک اثر منقول ہے۔ امام خلال اپنی ''کتاب السنہ'' میں نقل کرتے ہیں کہ ''مجھے محمد بن ہارون اور محمد بن جعفر نے بیان کیا کہ انہیں ابو حارث نے بیان کیا: میں نے ابوعبداللہ (احمد بن حنبل) سے اس معاملے کے بارے میں سوال کیا جو بغداد میں پیدا ہو چکا تھا، اور لوگ خلیفہ کے خلاف خروج (بغاوت) کرنا چاہ رہے تھے۔ میں نے کہا: اے ابوعبداللہ احمد بن حنبل! آپ لوگوں کی بغاوت کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے اس کو بُرا جانا، اور وہ (احمد بن حنبل) فرماتے جا رہے تھے ''سبحان اللہ'' یہ خون کا معاملہ ہے، خون کا، میں نہ تو اس کو حق سمجھتا ہوں، اور نہ ہی اس کا حکم دیتا ہوں۔ صبر کرنا ہمارے لیے اس فتنہ سے بہتر ہے جس میں خون بہایا جائے، مال کو حلال سمجھا جائے، اور اللہ کی حرام کردہ حدود اور محارم کو پامال کیا جائے، امام احمد نے کہا: کیا تم یہ نہیں جانتے کہ فتنہ کے

[1] صحيح بخاري، كتاب المغازي، رقم: ٤١٧٧.

دنوں میں لوگ کس حالت میں تھے؟ میں نے کہا: آج لوگ فتنہ میں مبتلا نہیں ہیں؟ امام احمد نے فرمایا: ہاں! یہ فتنہ خاص ہے، مگر جب تلوار چلے گی تو یہ فتنہ وآزمائش عام ہو جائے گی، اور راستے کٹ جائیں گے، ان آزمائشوں پر صبر کرنا ہی بہتر ہے، اور یہ چیز تیرے لیے بہتر ہے۔ کہ تیرا دین بچ جائے۔''

امام احمد کی اس بات سے مجھے وہ حدیث یاد آ گئی، جس کو سیّدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ سیّدنا اسامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر میں بھیجا۔ ہم نے صبح صبح جہینہ قبیلے کے چھوٹے چھوٹے قبیلوں پر حملہ کر دیا۔ میرے وار کے نیچے ایک آدمی آیا، اس نے ''لا الہ الا اللہ'' کہا، مگر اس کے باوجود میں نے اس کو نیزہ مار دیا۔ میرے دل میں تھوڑا اشکال وتردد پیدا ہوا۔ میں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے ''لا الہ الا اللہ'' کہا، اور تو نے اسے قتل کر ڈالا؟ سیّدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اس نے تو یہ کلمہ اسلحہ کے ڈر سے کہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو اس کے بارے میں جانتا تھا کہ اس نے یہ دل سے نہیں کہا تھا بلکہ اسلحے کے خوف سے کہا تھا؟ اس بات کو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کافی دیر تک دہراتے رہے، حتی کہ میں یہ تمنا کرنے لگا کہ کاش کہ میں آج مسلمان ہوا ہوتا۔''

سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ ''میں اس وقت کسی شخص کو قتل نہیں کروں گا جب تک اس کو اسامہ قتل نہ کریں۔'' یعنی اس کے بعد اسامہ بہت زیادہ محتاط ہو گئے تھے۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے ایک آدمی نے (سیّدنا علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے اختلاف کے دوران کہا) اے سعد! کیا اللہ نے یہ نہیں فرمایا:

﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ﴾

(الانفال:۳۹)

''تم ان سے اس حد تک لڑو کہ ان میں فساد عقیدہ نہ رہے، اور دین اللہ ہی کے لیے ہو جائے۔''

توسیّدنا سعد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ہم نے تو قتال کیا یہاں تک کہ فتنہ نہ رہا، تو اور تیرے ساتھی اس لیے قتال ولڑائی کر رہے ہیں کہ فتنہ برپا ہو جائے۔''①

اس کے بعد خلال رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ''مجھے علی بن عیسیٰ نے بتایا کہ میں نے ابن حنبل سے سنا کہ انہوں نے واثق کی خلافت کے بارے میں کہا کہ فقہاء بغداد ابوبکر بن عبید بن علی وفضل بن عباس یہ سارے جمع ہو کر میرے پاس آئے، اور اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ میں نے ان کو اندر آنے کی اجازت دی، وہ اندر آئے اور انہوں نے کہا: اے ابوعبداللہ! اس معاملہ نے اپنے بازو پھیلا لیے ہیں یعنی عام ہو گیا ہے (ان کی مراد فتنہ خلق قرآن ہے) ان سے ابوعبداللہ نے کہا: تمہارا کیا ارادہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم اس (واثق) کی امارت پر راضی نہیں ہیں، اور نہ ہی اس کی بادشاہت ہمیں بھلی لگتی ہے۔ آپ ایک لمحہ ان کی طرف دیکھتے رہے، پھر ان سے فرمایا: تم اس کو دل میں ضرور بُرا سمجھو لیکن اس کی اطاعت سے ہاتھ نہ نکالو، اور مسلمانوں کی جمعیت کو نہ توڑو، اور اپنے ساتھ ساتھ مسلمانوں کا خون نہ بہاؤ اپنی عاقبت وآخرت پر نظر رکھو اور صبر کرو، یہاں تک کہ نیک لوگ سکون پائیں یا پھر فاجروں سے ان کو سکون دلایا جائے۔''

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وَمَنْ نَوَّرَ اللّٰهُ قَلْبَهُ فَرَأَى مَا فِي النَّصِّ وَالشَّرْعِ مِنَ الصَّلَاحِ وَالْخَيْرِ. وَإِلَّا فَعَلَيْهِ الِانْقِيَادُ لِنَصِّ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَشَرْعِهِ. وَلَيْسَ لَهُ مُعَارَضَتُهُ بِرَأْيِهِ وَهَوَاهُ))۔

''جس کے دل کو اللہ نے علم سے منور کر دیا ہے، تو وہ نصوص شریعت میں مصلحت واصلاح اور خیر کو دیکھتا ہے۔ اور اگر ایسا نہیں، یعنی وہ شخص عالم نہیں تو اس کی پیروی کرے، اس کے لیے یہ لائق نہیں کہ وہ ان نصوص کو اپنی رائے اور خواہشات کے ساتھ ٹکراتا رہے۔'' (اور انکار کرتا رہے)''

① صحیح مسلم کتاب الایمان، رقم:۱۵۸۔

تعصب کی بنا پر نصوص کی مخالفت اس کی کئی قسمیں ہیں، وہ تعصب یا تو قوم و برادری کا ہوگا یا پھر یہ تعصب مذہبی ہوگا یا پھر جماعت اور گروہ کی بنا پر ہوگا۔

1:..... قوم و برادری کے تعصب کی مذمت اور اس سے بچنے کی مثال سیّدنا جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس کو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ سیّدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

((كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي غَزَاةٍ فَكَسَعَ رَجُلٌ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ، فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ: يَا لَلْأَنْصَارِ، وَقَالَ الْمُهَاجِرِيُّ: يَا لَلْمُهَاجِرِينَ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ: "مَا بَالُ دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ" قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! كَسَعَ رَجُلٌ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ، قَالَ: "دَعُوهَا فَإِنَّهَا مُنْتِنَةٌ."))

''ہم ایک غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ ایک مہاجر نے ایک انصاری کو دھتکارا اور آوازہ کسا، تو انصاری نے کہا: اے انصاریو! اور مہاجر نے کہا: اے مہاجرو! (وہ اپنے اپنے قبیلوں اور برادریوں کو مدد کے لیے پکار رہے تھے) تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جاہلیت کے دعووں اور پکاروں کا کیا حال ہے؟'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ایک مہاجر صحابی نے ایک انصاری کو دھتکارا ہے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چھوڑو، یہ بدبودار پکار اور دعوت ہے۔''[1]

2:..... رہی بات مذہبی تعصب کی تو یہ پہلی تین صدیوں کے بعد خاص طور پر چوتھی اور پانچویں صدی میں آیا ہے، ان دونوں زمانوں میں تعصب بہت سخت ہوگیا، حتیٰ کہ بعض نے شافعی کی حنفی سے حنفی کی شافعی سے شادی ممنوع قرار دے دی۔

اس لیے جو شخص کسی معین و خاص مذہب کا پیروکار ہے اس کے اندر دو باتوں میں سے ایک

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المناقب، رقم:۳۳۳۰ وکتاب التفسیر، رقم:۴۶۲۲۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، رقم:۲۵۸۴.

بات ضرور ہوگی۔

1۔ یا تو وہ قرآن وسنت کو میزان وترازو قرار دیتا ہوگا (اپنے مذہب کے بارے میں وارد اقوال کے لیے) اور یہی واجب ہے۔

2۔ یا تو وہ اپنے مذہب کو قرآن وسنت کے لیے میزان قرار دیتا ہوگا تو یہ بات بہت ہی زیادہ غلط ہے۔

اور بعض لوگوں کی حالت تو یہاں تک پہنچ گئی کہ انہوں نے کہا کہ ہر وہ آیت یا حدیث جو ہمارے مذہب کے خلاف ہوگی یا تو اس کی تاویل کی جائے گی ورنہ اس کو منسوخ تصور کیا جائے گا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وَمَنْ أَوْجَبَ تَقْلِيدَ إِمَامٍ بِعَيْنِهِ أُسْتُتِيبَ فَإِنْ تَابَ وَإِلَّا قُتِلَ وَإِنْ قَالَ يَنْبَغِي كَانَ جَاهِلًا ضَالًّا))۔

''جو شخص یہ کہے کہ فلاں پر خاص امام کی اتباع واجب ہے تو اس سے توبہ کرنے کو کہا جائے گا (اگر وہ توبہ نہیں کرے گا) تو اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ فلاں شخص کی اتباع کرنا بہتر ہے، وہ جاہل وگمراہ ہے۔''

پس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فہم کے مطابق ہر شخص کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنا لازم اور ضروری ہے۔

3۔ رہی جماعتوں اور ٹولیوں کی تعصب کی بات تو یہ تعصب ہمارے زمانے میں بہت ہے، اور اس پر وہ حدیث صادق آتی ہے جس کو امام احمد اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نے اس حدیث پر یہ بات قائم کیا ہے:

[بَابُ مَاجَاءَ فِي الْخُرُوجِ عَنْ دَعْوَى الْاِسْلَامِ]

''اسلام کے دعویٰ (نام، پہچان) سے نکلنے کا بیان''۔

سیّدنا حارث الاشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں تمہیں پانچ چیزوں کا حکم دیتا ہوں جن کا مجھے رب نے حکم دیا ہے، وہ سننا اور اطاعت کرنا، جہاد کرنا، ہجرت کرنا، جماعت کے ساتھ منسلک رہنا۔ جو جماعت سے ایک بالشت بھی نکل گیا، گویا اس نے اسلام کا پٹہ اپنے گلے سے اُتار دیا، الا یہ کہ وہ رجوع کرلے، اور جس نے جاہلیت کی پکار لگائی وہ جہنم کا ایندھن بنے گا، ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! اگرچہ وہ نماز پڑھے اور روزہ رکھے؟ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: اگرچہ وہ نماز بھی پڑھے، اور روزہ بھی رکھے۔ پھر فرمایا: اللہ کی پکار (نام سے) پکارو، اللہ نے تمہارا نام مسلمان، مومن، اللہ کا بندہ رکھا ہے، اور مومن اللہ کے بندے ہیں۔''[1]

جماعتوں اور ٹولیوں کے لیے تعصب کی دو نشانیاں ہیں:

پہلی:..... اس حق بات کو ٹھکرا دینا جس کو اس جماعت کے علاوہ کوئی اور بیان کرے، جس جماعت کی طرف وہ شخص منسوب ہے، یہ بعینہ وہ چیز ہے جس کے اندر یہودی واقع ہوگئے تھے، جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ۭ﴾(آل عمران:۷۳)

''اپنے دین پر چلنے والے کے علاوہ کسی اور کا اعتبار و یقین نہ کرو۔''

ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دیکھنا دو باتوں سے بچنا (ان میں سے ایک یہ ہے) ''خواہشات کے معارض حق کو ٹھکرانے سے'' ورنہ تمہیں دلوں کے پلٹ دیئے جانے کی سزا ملے گی، اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝۱۱۰﴾(الانعام:۱۱۰)

''اور ہم ان کے دلوں اور ان کی نگاہوں کو پھیر دیں گے، جیسا کہ یہ لوگ اس پر پہلی دفعہ ایمان لائے اور ہم ان کو ان کی سرکشی میں حیران رہنے دیں گے۔''

[1] مسند أحمد: ۴/ ۱۳۰، ۲۰۲۔ صحیح ابن خزیمہ: رقم: ۴۸۳۔ ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

مزید فرمایا:

(يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۖ وَاعْلَمُوٓا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِۦ)(الانفال:۲۴)

''اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول کے کہنے کو بجالاؤ جب کہ رسول اللہ تم کو تمہاری زندگی بخش چیز کی طرف بلاتے ہیں، اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ آدمی کے اور اس کے دل کے درمیان آڑ بن جایا کرتا ہے۔''

یعنی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو رد کرنا اور قبول نہ کرنا، اس پر یہ بات مرتب ہوگی کہ اس کے دل اور حق کی پہچان کے درمیان آڑ بن جاتا ہے، تو پھر نہ ہی اس میں حق پہچاننے کی اور نہ ہی اس سے فائدہ حاصل کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔

دوسری :..... ایک دوسرے کو بے وقوف و بدعقل کہنا، یہ بھی یہودیوں کا طریقہ تھا، فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

(وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَٰرَىٰ عَلَىٰ شَيْءٍ وَقَالَتِ النَّصَٰرَىٰ لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَىٰ شَيْءٍ وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَٰبَ ۗ)(البقرہ:۱۱۳)

''یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ (عیسائی) حق پر نہیں ہیں، اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہودی حق پر نہیں ہیں، حالانکہ یہ سب لوگ تورات پڑھتے ہیں۔''

یعنی وہ تورات و انجیل کی شریعت کو جانتے ہیں، یہ دونوں کتابیں اپنے اپنے وقت میں مشروع تھیں۔ لیکن ان لوگوں نے کفر و عناد کی بنا پر فاسد و غلط بات کا غلط بات کے ذریعے مقابلہ کرتے ہوئے ایک دوسرے کا انکار کیا۔

جب تجھے ضرورت محسوس ہو کہ تو جماعتی و تنظیمی تعصب کی بدعت محرمہ کا ادراک کر سکے تو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو بغور پڑھ:

(وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٣١﴾ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا ۖ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ﴿٣٢﴾)(الروم:۳۲)

’’اور مشرکین میں سے نہ ہوجاؤ۔ ان لوگوں میں سے جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا، اور خود بھی گروہ گروہ ہو گئے، اور ہر گروہ اس چیز پر جو اس کے پاس ہے، اس پر خوش ہے۔‘‘

(اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ ؕ)

(الانعام:۱۵۹)

’’بے شک جن لوگوں نے اپنے دین کو جدا جدا کردیا اور گروہ گروہ بن گئے، آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔‘‘

رہی بات اشخاص کے لئے تعصب کی تو اس پر یہ اثر صادق آتا ہے۔ سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ بتاؤ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دین پر ہو یا سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے دین پر؟

تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا:

((بَلْ اَنَا عَلَى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ))[1]

’’(ان دونوں کے دین پر نہیں) بلکہ میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین پر ہوں۔‘‘

ایک اور مشہور اثر ہے کہ:

سیّدنا عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ ((اَضْلَلْتَ النَّاسَ))

’’آپ نے تو لوگوں کو گمراہ کردیا ہے۔‘‘

سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: عروہ وہ کیسے؟ عروہ بن زبیر نے کہا کہ آپ عشر ذی الحجۃ (ذوالحجۃ کے پہلے دس دن) میں لوگوں کو عمرہ کرنے کا حکم دیتے ہیں حالانکہ ان دنوں میں عمرہ کرنا صحیح نہیں۔ سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس بات پر آپ اپنی والدہ (اسماء) سے کیوں نہیں پوچھ لیتے۔ عروہ نے جواب دیا کہ ابوبکر وعمر اس کام کو نہیں کرتے تھے۔ سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ چیز (شخصی تعصب) تمہیں ہلاک کردے گی، اللہ کی قسم! میں سمجھتا

[1] مصنف عبدالرزاق۔ مصنف ابن ابی شیبہ۔

ہوں کہ آپ لوگوں نے یہ روش نہ چھوڑی تو عنقریب اللہ تمہیں اس جرم کی پاداش میں عذاب دے گا۔ میں تمہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرتا ہوں، اور تم جواب میں سیّدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی باتیں کرتے ہو۔

یہ بات ذہن نشین ہونی چاہیے کہ مخلوق میں شرک کی ابتداء کی اصل جڑ بھی نیک لوگوں کی تعظیم میں غلو ہے جس طرح کہ سیّدنا نوح علیہ السلام کے قصہ میں ہے۔

ابن قیم الجوزیہ رحمۃ اللہ علیہ ''قصیدہ نونیہ'' میں فرماتے ہیں:

وَالْخَوْفُ كُلُّ الْخَوْفِ فَهُوَ عَلَى الَّذِي

ترك النُّصُوص لأجل قَول فلَان

''جس شخص کے بارے میں بہت زیادہ ڈر ہے (عذاب کا، گمراہ ہونے کا) وہ ایسا شخص ہے جو نصوص (دلائل کتاب وسنت) کو کسی شخص کے قول کی وجہ سے چھوڑ دیتا ہے۔''

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اہل بدعت کی یہ عادت ہے کہ وہ کتاب وسنت اور آثار صحابہ وتابعین پر انحصار وبھروسہ نہیں کرتے، بلکہ ان کا اعتماد وبھروسہ عقل اور لغت عرب پر ہے، ان کا اعتماد ایسی کتب تفسیر پر نہیں ہوتا جو احادیث اور آثارِ صحابہ اور تفسیر بالماثور پر مشتمل ہیں، بلکہ اس کی بجائے ان کا بھروسہ کتب ادب وکتب کلام پر ہے جن کتب کو ان کے بڑوں نے لکھا ہے، یہ طریقہ تو ملحد وبے دین لوگوں کا ہے جو کتب فلسفہ وکلام اور کتب لغت کی باتوں کو تو لیتے ہیں، لیکن کتب حدیث وآثار صحابہ حتی کہ قرآن کی طرف بھی التفات تک نہیں کرتے، یہ لوگ نصوصِ انبیاء علیہم السلام سے بھی انحراف واعراض کرتے ہیں، بلکہ ان کے نزدیک تو یہ نصوص (بے فائدہ ہیں) علم کا فائدہ تک نہیں دیتیں۔''

امام بربہاری رحمہ اللہ کہتے ہیں:

((فاغتر بذلك من دخل فيها، ثم لم يستطع الخروج منها))۔

''وہ شخص اُس بدعت سے دھوکہ کھا جاتا ہے پھر اس سے نکلنے کی کوئی سبیل نہیں پاتا۔''

سلف صالحین کا یہ طریقہ تھا کہ وہ اہل بدعت اور خواہشات پرست لوگوں سے ڈراتے رہتے تھے، اور پھر ڈرانے کے کئی انداز تھے۔ کبھی تو تعلیم وتعلم کے ذریعے، اور کبھی اہل بدعت کا رڈ کر کے، کبھی ان سے قطع تعلق اور ان پر سختی کر کے، اور کبھی ان کے خلاف تالیف وتصنیف کے ذریعے ڈراتے، اور ان کے شر سے آگاہ کرتے۔ اس بارے میں سلف کے بعض مشہور اقوال ملاحظہ فرمائیں:

علامہ اسماعیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((ویرون مجانبة البدعة والآثام ... وترك الغيبة إلا لمن أظهر بدعة وهو يدعو إليها، فالقول فيه ليس بغيبة عندهم))[1]

''اہل الحدیث بدعت گناہ اور غیبت سے بچتے ہیں، ہاں اس شخص کے بارے میں بات چیت کرتے جس کا بدعتی ہونا واضح ہوجاتا ہو، اور وہ شخص اس بدعت کی دعوت بھی دیتا ہو، ایسے شخص (کی غیر موجودگی میں اس) کے بارے میں بات چیت کرنا اہل السنہ کے نزدیک غیبت نہیں ہے۔''

علامہ ابوعثمان الصابونی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''اہل سنت بدعتی اور گمراہ لوگوں سے دُور رہتے ہیں اور (دین کے مقابلہ میں) خواہش پرست اور جہالت والوں سے دشمنی رکھتے ہیں، اور وہ (اہل السنہ) ان بدعتی لوگوں سے بغض ونفرت رکھتے ہیں جو دین میں ایسی چیز گھڑ کر داخل کر لیتے ہیں جو دین میں سے نہیں ہوتی۔

اہل سنت (اہل حدیث) ایسے لوگوں سے محبت نہیں رکھتے، اور ان کی صحبت کو اختیار نہیں کرتے ان کی باتوں کو نہیں سنتے اور ان کی محفل میں نہیں جاتے اور نہ ہی ان کے

[1] اعتقاد أئمة الحديث:٧٨.

ساتھ دین کے بارے میں بحث ومباحثہ اور مناظرہ کرتے ہیں اہل سنت یہ سمجھتے ہیں کہ اپنے کانوں کو ان کے باطل امور سے محفوظ رکھنا چاہیے جو اگر کانوں سے گزر جائیں اور دلوں میں بیٹھ جائیں تو نقصان دیتی ہیں اور دل میں عجیب قسم کے وساوس وخطرات پیدا کر دیتی ہیں انہی کے بارے میں اللہ تعالی نے قرآنِ مجید میں ارشاد فرمایا:

﴿وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِيٓ ءَايَٰتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِۦ﴾ (الانعام:٦٨)

''جب آپ ان لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیات میں عجیب جوئی کر رہے ہوں تو ان لوگوں سے کنارہ کش ہو جائیں یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں۔''[1]

امام شوکانی رحمہ اللہ اس آیت ﴿وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِيٓ ءَايَٰتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِۦ﴾ (الانعام:٦٨) کی تفسیر میں فرماتے ہیں: اس آیت میں اس شخص کے لئے ایک بہت بڑی اور عظیم نصیحت ہے جو شخص ان بدعتی لوگوں کی محفلوں کی بابت نرمی برتتا ہے جو کلام الٰہی میں تحریف کرتے ہیں اور کتاب وسنت کا مذاق اڑاتے ہیں، اور ان کو توڑ موڑ کر اپنی گمراہ کن خواہشات اور بدعات فاسدہ کی طرف لوٹاتے ہیں جو ان پر نکیر ورد نہ کرے اور جس گمراہی میں وہ ہیں ان پر اس گمراہی کو بھی واضح نہ کر سکے تو پھر کم از کم ان کی مجلس ومحفل سے اٹھ جائے یہ کام اس کے لئے آسان ہے کوئی مشکل نہیں۔

اس کی اس محفل میں موجودگی میں ایک خرابی و برائی تو یہ ہے کہ منکرات سن کر خاموش رہا، اور بدعتی لوگ عام لوگوں سے اس کی موجودگی اور چپ رہنے کا تذکرہ کر کے ان کو شکوک وشبہات میں مبتلا کر دیں گے۔

---

[1] اعتقاد اصحاب الحدیث:١٩٩.

امام شوکانی فرماتے ہیں ہم نے ایسی لاتعداد اوران گنت محفلوں کا مشاہدہ کیا ہے اور نصرت ومدد حق کے لئے کھڑے ہوکر آواز بلند کی ہے اور ہم نے ان محفلوں میں جتنی ہمارے اندر طاقت تھی باطل کارڈ بھی کیا ہے اور جوشخص شریعت مطہرہ کواچھی طرح جانتا ہے اس کواس بات کاعلم وادراک ہے کہ اہل بدعت کی محفلیں مفسدات وبرائیوں سے لبریز ہوتی ہیں ان لوگوں کی محفلوں سے بھی بڑھ کران میں مفسدات ہوتی ہیں جن میں کسی کام کوانجام دے کر حرمات الہی کو پامال کیا جاتا ہے۔

(اصل بات ہے کہ وہ عام لوگوں شکوک وشبہات میں مبتلا کردیں گے) خاص طور پر اس شخص کو جسے کتاب وسنت کے علم پر رسوخ وپختگی نہ ہوتواس پر کبھی کبھی ان کے جھوٹ وفریب اثرانداز ہوجاتے ہیں۔اوراس آدمی کے دل میں گھر کرجاتے ہیں جس کا علاج کرنا بہت مشکل ہوتا ہے اوروہ عمرعزیز کاایک حصہ اس بدعت پرعمل کرتے ہوئے گزاردیتا ہے یہاں تک کہ اللہ اس کے دل میں یہ بات ڈال دیتا ہے کہ یہ بات بھی حق ہے' حالانکہ وہ سب سے گمراہ ترین اورمنکرترین کام ہوتا ہے۔''①

4۔علامہ بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یقیناً اللہ کے نبی ﷺ نے اس امت کے فرقوں میں بٹ جانے اوران میں خواہشات وبدعات کے پیدا ہوجانیکی بھی خبردے دی ہے اورنجات کا فیصلہ اس جماعت کے حق میں کردیا جونبی ﷺ اورصحابہ کرام کے طریقے پر چلے گی اب یہ بات ایک مسلمان پرلازم ہے کہ جب کوئی شخص بدعات وخواہشات کوعقیدہ بنا کرسرانجام دے یا پھروہ ایسا کام کرے جوسنت کوکمزورکردے تواس سے قطع تعلقی کرے اوراس سے برات وبیزاری کا اظہار کرے اوراس کو زندگی وموت دونوں صورتوں میں چھوڑدے (یعنی اس کے خوشی وغمی کے معاملات میں شریک

① فتح القدير للشوكاني:۲/۸۱/۳.

نہ ہو) جب کبھی ملاقات ہوتو سلام بھی نہ کرے اور اگر وہ سلام میں پہل کرے تو اس کا جواب نہ دے یہاں تک کہ وہ اس بدعت کو چھوڑ کر حق کی طرف لوٹ آئے ، امام بغوی نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا: تین دن سے زیادہ بات چیت چھوڑنا اس وقت حرام ہے جب اسکی وجہ سے محبت اور معاشرت پر منفی اثر ہو مگر جب قطع تعلق دین کے معاملات میں ہو اور دین کے حق میں ہوتو یہ گناہ نہیں بلکہ خواہشات پرست لوگوں سے اس وقت تک بات چیت بند رکھی جائے جب تک وہ توبہ نہ کرلیں۔ ''①

4۔فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

'' کہ میں کسی یہودی یا عیسائی کے ہاں کھانا کھاؤں یہ مجھے اس بات سے زیادہ پسند ہے کہ کسی بدعتی کے ہاں سے کھانا کھاؤں کیونکہ جب میں یہودی وعیسائی کے ہاں کھانا کھاؤں گا تو اس بات میں میری پیروی نہیں کی جائے گی ،لیکن جب میں کسی بدعتی کے ہاں کھانا کھاؤں گا تو لوگ اس میں میری پیروی کریں گے، میں تو یہ چاہتا ہوں کہ میرے اور بدعتی کے درمیان لوہے کا قلعہ ہو سنت کے مطابق تھوڑا سا عمل کرنا یہ بدعت کے (بہت سارے) اعمال سے بہتر ہے اور جو شخص بدعتی کے ساتھ بیٹھتا ہے تا کہ وہ اس بدعتی کو اللہ سے ڈرائے تو یہ صحیح ہے ورنہ اس کو ڈرنا چاہیے کہ کہیں یہ بھی عذاب کی لپیٹ میں نہ آجائے، اور اپنے دین کے بارے میں بدعتی سے بے خوف نہ ہو، اور اپنے معاملات میں اس سے مشورہ بھی نہ لو۔ ''②

۵۔ابن مفلح فرماتے ہیں:

---

①شرح السنہ:۱/ ۲۲۳، ۲۲۷.

② حلیۃ الاولیا ،لابی نعیم:۸/ ۳۰۱.

''متوکل نے اپنے دور حکومت میں فتویٰ پوچھنے کے لئے امام احمدؒ کے پاس آدمی کو بھیجا کہ ہم حکومتی کاموں کے لئے عیسائیوں کو مزدور ملازم رکھیں یا پھر بدعتی اور خواہش پرست لوگوں کو ملازم رکھیں؟ امام احمد بن حنبل نے فتویٰ دیا کہ عیسائیوں کو ملازم رکھنا بدعتیوں کو ملازم رکھنے سے بہتر ہے پھر جب متوکل کا قاصد چلا گیا تو امام احمد کے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں نے آپ نے سوال کیا۔ امام صاحب نے جواب دیا کہ یہود ونصاریٰ تو ذلیل ورسوا کیے ہوئے ہیں اور ان کی برائی واضح ہے۔ لیکن اہل بدعت لوگوں پر ان کے دین کو گڈ مڈ کرتے ہیں۔''[1]

یحییٰ بن ابی کثیرؒ کہتے ہیں:

((إِذَا لَقِيتَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَخُذْ فِي طَرِيقٍ غَيْرِهِ)).

''جب آپ کسی بدعتی کو راستے میں دیکھو تو راستہ تبدیل کرلو۔''

امام احمد رحمہ اللہ اہل بدعت کی علامات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

((هُمْ مُخْتَلِفُونَ فِي الْكِتَابِ، مُخَالِفُونَ لِلْكِتَابِ، مُتَّفِقُونَ عَلَى مُفَارَقَةِ الْكِتَابِ، يَتَكَلَّمُونَ بِالْمُتَشَابِهِ مِنَ الْكَلَامِ، وَيَخْدَعُونَ جُهَّالَ النَّاسِ بِمَا يُلَبِّسُونَ عَلَيْهِمْ)).

''یہ لوگ کتاب اللہ کے بارے میں مختلف، کتاب اللہ کے مخالف، اور کتاب اللہ کو چھوڑنے پر متفق ہیں یہ کتاب اللہ کے متشابہ سے بات کرتے ہیں، اور لوگوں کو (اپنی خلط ملط کی ہوئی باتوں کے ذریعے) دھوکہ دیتے ہیں۔''[2]

لوگوں میں کچھ لوگ اہل بدعت اور اہل السنہ کے درمیانی راہ پر چلنے کا دعویٰ کرتے ہیں، وہ تمام لوگوں کی مجالس میں شریک ہوتے ہیں، اور جب ان سے اور ان جیسوں سے پوچھا جاتا

---

① الآداب الشرعية:١٦٥.

② درء التعارض:١/ ٤٤.

ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تمام جماعتوں کو جمع کرنا چاہتے ہیں تفرقہ نہیں کرنا چاہتے حلانکہ یہ بات ہی تفریق کی جڑ ہے اور سلف کی سیرت وطریقہ سے سراسر دوری ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

''باطل وناحق وغلط طریقہ سے (لوگوں کو) کافر قرار دینے والوں سے قریب کچھ لوگ ہیں جو اہل سنت والجماعت کے عقیدے کو اس طرح نہیں جانتے جس طرح ان کو اس عقیدہ کو جاننا چاہئے یا پھر بعض عقائد کو جانتے ہیں اور بعض سے ناواقف وجاہل ہوتے ہیں۔ اور جن عقائد کو جانتے بھی ہیں ان کو لوگوں کے سامنے بیان نہیں کرتے بلکہ ان کو (لوگوں سے) چھپاتے ہیں (حد یہ ہے) کہ نہ تو وہ بدعات (جو کہ کتاب وسنت کے مخالف ہیں) سے روکتے ہیں اور نہ ہی ان کی مذمت اوران کا تعاقب کرتے ہیں بلکہ شاید وہ سنت اور اصول دین میں مطلق طور پر کلام کی مذمت کرتے ہیں۔ وہ کتاب وسنت اور اجماع سے ثابت شدہ اور اہل بدعت وافتراق کی باتوں کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے، یا پھر تمام مذاہب کو اپنی اپنی جگہ صحیح کہتے ہیں۔ جس طرح کہ علماء ان مواقع اجتہاد میں تمام لوگوں کے اجتہاد کو صحیح ودرست قرار دیتے ہیں جہاں اختلاف روا ہو، یہ طریقہ بعض مرجئہ، نام نہاد فقہاء، صوفیاء، اور فلسفیوں پر غالب ہے جس طرح پہلا طریقہ اہل بدعت، اہل ھویٰ اور اہل کلام پر غالب ہے، یہ دونوں طریقے کتاب وسنت سے ہٹ کر ہیں۔''①

اسی طرح شیخ الاسلام فرماتے ہیں:

((إِنَّ أَهْلَ الْبِدَعِ شَرٌّ مِنْ أَهْلِ الْمَعَاصِي الشَّهْوَانِيَّةِ بِالسُّنَّةِ وَالْإِجْمَاعِ فَإِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِقِتَالِ الْخَوَارِجِ

① مجموع الفتاویٰ: ۱۲/ ۴۶۷.

وَنَهَى عَنْ قِتَالِ أَئِمَّةِ الظُّلْمِ))۔

''سنت اور اجماع کی روشنی میں اہل بدعت ان لوگوں سے بدتر ہیں جو شہوانی خواہشات کی وجہ سے معاصی و گناہ کرتے ہیں کیونکہ اللہ کے نبی ﷺ نے خوارج کے ساتھ قتال ولڑائی کا حکم دیا ہے مگر ظالم حکمرانوں سے لڑنے سے منع فرمایا ہے۔''

اور اس طرح شرابی کے بارے میں فرمایا:

((لَا تَلْعَنُوهُ، فَوَاللّٰهِ مَا عَلِمْتُ إِلَّا أَنَّهُ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ.))[1]

''اس پر لعنت نہ بھیجو اللہ کی قسم! میں یہ جانتا ہوں کہ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ محبت کرتا ہے''

اور اس کے مقابلے میں ذوالخویصرہ کے بارے میں فرمایا:

((إِنَّ مِنْ ضِئْضِئِ هٰذَا قَوْمٌ يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ، يَمْرُقُونَ مِنَ الْإِسْلَامِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ))[2]

''اس شخص کی اولاد میں ایسے لوگ ہوں گے جو قرآن تو پڑھیں گے لیکن وہ ان کے گلوں سے نیچے نہیں اترے گا وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔''

پھر ان دونوں گروہوں میں ایک اور فرق ہے کہ گنہگار شخص نے تو ان گناہوں میں سے ایک گناہ کا ارتکاب کیا ہے جس سے اس کو منع کیا گیا تھا۔ مثلاً چوری، شراب نوشی اور ناحق طریقے سے لوگوں کا مال کھانا وغیرہ۔ جب کہ اہل بدعت کا گناہ یہ ہے کہ انہوں نے سنت کی اتباع اور جماعت المؤمنین کے ساتھ منسلک ہونے کو ترک کیا ہے، جس کا ان کو حکم دیا گیا تھا۔

---

[1] صحیح بخاری ،کتاب الحدود رقم :۶۳۹۸، عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ.

[2] صحیح بخاری کتاب الانبیاء رقم:۳۱۶۶، صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، رقم:۱۰۶۴، عن ابی سعد الخدری رضی اللہ عنہ.

امام بربہاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((فانظر رحمك الله: كل من سمعت كلامه من أهل زمانك خاصة فلا تعجلن، ولا تدخلن في شيء منه حتى تسأل وتنظر هل تكلم به أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم أو أحد من العلماء؟ فإن وجدت فيه أثرا عنهم فتمسك به، ولا تجاوزه لشيء، ولا تختر عليه شيئا فتسقط في النار)).

''اے قاری! اللہ آپ پر رحم کرے ہر وہ بات جو آپ سنیں خاص طور پر ہمارے دور کے لوگوں کی تو جلد بازی نہ کریں اور نہ ان میں سے کسی چیز میں داخل ہوں جب تک علماء سے سوال نہ کرلیں اور اس پر غور وفکر نہ کرلیں کہ وہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ یا پھر علماء حق میں سے کسی نے کہی ہے یا نہیں؟ اگر اس بارے میں آپ کو ان سے کوئی اثر مل جائے تو اس پر مضبوطی سے جم جائیں اور اس سے تجاوز نہ کریں اور اس پر کسی اور چیز کو ترجیح نہ دیں کہ نتیجتاً جہنم رسید ہو جائیں۔''

امام بربہاری رحمہ اللہ کی یہ بات ایک عظیم اصول کے تحت ہے جس پر منہج اہل السنہ والجماعت کی بنیاد ہے اور ایک سلفی طالب علم کو اس سے ناآشنا ہونا لائق وزیبا نہیں کہ کیونکہ امت کا اندرونی دشمن بیرونی دشمن سے زیادہ خطرناک ہے سیدنا ثوبان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ نے میرے لئے زمین کو سمیٹ دیا ہے میں نے اس کا مشرق ومغرب دیکھا، یقیناً میری امت کی حکومت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک میرے لئے زمین سمیٹی گئی اور مجھے سرخ وسفید خزانوں کی چابیاں دی گئیں میں نے اپنے رب سے دعا کی کہ میری امت کو عام قحط سے ہلاک نہ کرنا اور ان پر ان کے علاوہ کسی اور کو مسلط نہ کرنا جو ان کی جڑ کاٹ دے۔ میرے رب نے کہا: اے محمد! جب میں کوئی فیصلہ کر دیتا ہوں تو پھر اس کو بدلتا نہیں ہوں، میں تیری اس دعا کو قبول کرتا ہوں کہ

ان کو عام قحط سے ہلاک نہیں کردوں گا، اور ان پر ان کے علاوہ کوئی اور ایسا دشمن بھی مسلط نہیں کروں گا جو ان کے اصل دین کو مٹا دے، اور اگر پوری دنیا کے کافر مل کر بھی ان پر حملہ کردیں تب بھی وہ ان پر ایسا تسلط حاصل نہ کرسکیں گے، (مگر یہ ضرور ہوگا) مسلمان ایک دوسرے کو ہلاک کریں گے، اور قیدی بنائیں گے اور میں اپنی امت پر گمراہ گر پیشواؤں سے ڈرتا ہوں۔''①

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو امت کے بارے میں کسی کھلم کھلا بیرونی دشمن یہودی، عیسائی وغیرہ کا کوئی خوف نہ تھا، کیونکہ یہ اللہ کا فیصلہ ہے جو بدلتا اور ٹلتا نہیں ہے۔ (یہودی، عیسائی) ہم پر اس وقت تک تسلط حاصل نہیں کرسکتے جب تک ہم خود ان کو راستہ مہیا نہ کریں۔ اور تکلیف و آزمائش اندرونی و داخلی دشمن کی وجہ سے آتی ہے جو گمراہ کرنے والے حکمران اور بدعات وشبہات کے داعیان ہیں۔

ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿١٤١﴾﴾

(النساء:١٤١)

''اور اللہ ایمان والوں پر کافروں کو غلبہ ہرگز نہیں دے گا۔''

اس بارے میں کئی اقوال و آراء ہیں کہ اللہ رب العزت کافروں کو مومنوں پر کس لحاظ سے غلبہ نہیں دے گا:

1۔ کفار کو اللہ حجت، دلائل و براہین کے لحاظ سے مومنوں پر غلبہ نہیں دیگا بلکہ کفار کے دلائل اللہ کے ہاں باطل و جھوٹ ہیں۔

2۔ بات آخرت کے بارے میں ہے رہی بات دنیا کی تو دنیا میں کفار مسلمانوں پر تکلیف ونقصان پہنچانے کے لحاظ سے غلبہ پالیں گے۔

① صحیح مسلم، کتاب الفتن، رقم:۲۸۸۹۔ سنن ابی داؤد، کتاب الفتن، رقم:۴۲۵۲.

3۔ اللہ ان کو مومنوں پر پائیدار تسلط عطا نہیں کرے گا بلکہ اگر وہ مومنوں پر ایک دور میں غلبہ حاصل کرلیں گے تو حالات ان کو دوبارہ شکست خوردہ کردیں گے اور مستقل مدد و نصرت الٰہی متبعین و پیروکاران رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہوگی۔

4۔ یہ آیت اپنے ظاہری معنی پر محمول ہے، اوراس میں الحمدللہ کوئی اشکال بھی نہیں ہے اللہ رب العزت نے اس آیت کے ضمن میں یہ فرمایا کہ جب تک مومن لوگ ان چیزوں پر عمل پیرا رہیں گے، جن کا انہیں اللہ تعالی نے حکم دیا ہے، اوران چیزوں سے رک جائیں گے، جن سے ان کو منع کیا گیا ہے، چنانچہ جب وہ بعض اوامر کو ترک کرکے اللہ اوراس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے ہاتھ کھینچ لیں گے، اورنواہی کا ارتکاب کر کے ان کے لئے اپنے اوپر غلبہ و فتح کا دروازہ کھول دیں گے تو کفار اس دروازہ سے داخل ہوکران مومنوں پر غلبہ حاصل کرلیں گے، جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے احد کے دن ان کفار کے لیے ایک سوراخ وراستہ چھوڑ دیا تھا، وہ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) اس حکم کی حفاظت نہ کرسکے جو آپ نے ان کو دیا تھا، تو کفار نے ان کے اوپر غلبہ پانے کا راستہ پالیا اور وہ اسی راستہ کے ذریعے ان پر داخل ہوگئے۔''①

جب یہ بات واضح ہے اوراس پر اہل علم اور علماء کا اتفاق بھی ہے کہ بدعت گناہ نافرمانی سے زیادہ ہلاکت خیز ہے تو ان لوگوں پر یہ بات لازم ہے جن کا عقیدہ صحیح وسالم ہے کہ وہ اہل بدعت اورفکری وتحریکی اورمغربی نظریات کی حامل تنظیموں کے کھوٹے پن کا پردہ چاک کریں اورلوگوں کے سامنے انکا گھٹیا و باطل ہونا واضح کریں اوراپنی صفوں پر داخلی دشمنوں کے خلاف اس طرح پہرے بٹھائیں جس طرح بیرونی دشمن کے سدباب کے لئے اس کا انتظام اوراہتمام کیا جاتا ہے۔

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((إِنَّ الْمُؤْمِنَ لِلْمُؤْمِنِ كَالْيَدَيْنِ تَغْسِلُ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى. وَقَدْ لَا يَنْقَلِعُ الْوَسَخُ إِلَّا بِنَوْعٍ مِنَ الْخُشُونَةِ: لَكِنَّ ذَلِكَ يُوجِبُ مِنْ

① الصواعق المرسلة: ۴/ ۱۳۹۴.

النَّظَافَةِ وَالنُّعُومَةِ مَا نَحْمَدُ مَعَهُ ذَلِكَ التَّخْشِينَ))[1]

''مومنوں کی مثال آپس میں دو ہاتھوں جیسی ہے کہ ایک ہاتھ دوسرے کو دھوتا ہے اور ہاتھ سے میل کچیل اس وقت تک نہیں اتر سکتی جب تک اس میں کھردراپن نہ ہو یعنی صفائی ستھرائی کے لئے اس کا کھردرا ہونا ضروری ہے، تمام تعریفیں اس ذات کے لئے جس نے اس کے کھردرے پن کو ہمارے لئے مفید بنایا ہے۔''

اہل علم پر یہ بات لازم وضروری ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا دفاع کریں اور اپنے علم وطاقت کے مطابق ان قلموں اور پروپیگنڈوں کی بابت عوام میں بیداری پیدا کریں۔

یہ اہل علم کے اقوال سے چند مثالیں تھیں کہ داخلی واندرونی دشمن بیرونی دشمن سے زیادہ خطرناک وہلاکت خیز ہے۔ ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فقیہ ابوالوفا علی بن عقیل نے کہا کہ ہمارے شیخ ابوالفضل الہمدانی نے کہا:

''اسلام کا بدعتی ٹولہ اسلام کیلئے ملحدین سے بھی زیادہ نقصاندہ ہے کیونکہ ملحدین دین کو بیرونی ذرائع سے بگاڑنا چاہتا ہیں جب کہ بدعتی ٹولہ دین کو اندرونی طور پر بگاڑنا چاہتا ہے۔ ان کی مثال اس شہر والوں کی سی ہے جو شہر کے حالات کو بگاڑنا چاہتے ہیں، اور ملحدین کی مثال ان لوگوں کی سی ہے جو باہر سے آکر ان کا ساتھ دیتے ہیں، تو اہل شہر قلعوں اور شہر کا دروازہ کھولتے ہیں، (تاکہ بیرونی مددگار بھی اندر داخل ہوسکیں) لہٰذا یہ ٹولہ اسلام کے لئے اندرونی دشمن ہونے کی وجہ سے زیادہ خطرناک ہے (بلکہ یہ آستین کے سانپ ہیں)۔''[2]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ خوارج کے بارے میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''صحابہ نے ان کو کافر قرار نہیں دیا اور صحابہ کے بعد بھی (ان کے بارے میں) مسلمانوں کا یہی طریقہ رہا بلکہ نہ ہی ان لوگوں کی طرح ان کو مرتد تک کہا جیسے زکاۃ کا انکار کرنے والے لوگوں سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جہاد کیا تھا، باوجود اس بات کے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے احادیث

① مجموع الفتاویٰ: ۲/ ۵۳، ۵۴.
② الموضوعات: ۱/ ۵۱.

صحیح میں فرمایا:

((كِلَابُ النَّارِ، شَرُّ قَتْلَى تَحْتَ أَدِيمِ السَّمَاءِ، خَيْرُ قَتِيلٍ مَنْ قَتَلُوهُ)) ①

''یہ خوارج جہنم کے کتے آسمان تلے سب سے بدترین مقتول ہیں، اور یہ جسے قتل کردیں وہ سب سے بہتر شہید ہے۔''

مقصد یہ ہے کہ یہ مسلمانوں کے لئے اوروں کی نسبت زیادہ نقصان دہ ہیں حتی کہ یہ یہودیوں اورعیسائیوں سے بھی زیادہ خطرناک ہیں، کیونکہ یہ ہراس مسلمان کے قتل کے درپے تھے جو ان کی موافقت نہیں کرتا تھا، بلکہ مسلمانوں کے قتل کو جائز سمجھتے تھے، اور مسلمانوں کو کافر کہتے تھے۔ اپنی جہالت اور گمراہ کن بدعت کی بنا پر اس کو اپنا دین اور ایمان سمجھتے ہوئے تھے۔'' ②

یقینا شریعت نے یہودیوں اورعیسائیوں کی کتابوں کے پڑھنے سے منع کیا ہے کیونکہ چربی کے ساتھ زہر بھی ملا ہوا ہے، سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

((أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكِتَابٍ أَصَابَهُ مِنْ بَعْضِ أَهْلِ الْكُتُبِ ، فَقَرَأَهُ عَلَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَغَضِبَ وَقَالَ: "أَمُتَهَوِّكُونَ فِيهَا يَا ابْنَ الْخَطَّابِ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَدْ جِئْتُكُمْ بِهَا بَيْضَاءَ نَقِيَّةً. لَا تَسْأَلُوهُمْ عَنْ شَيْءٍ فَيُخْبِرُوكُمْ بِحَقٍّ فَتُكَذِّبُوا بِهِ، أَوْ بِبَاطِلٍ فَتُصَدِّقُوا بِهِ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ أَنَّ مُوسَى كَانَ حَيًّا، مَا وَسِعَهُ إِلَّا أَنْ يَتَّبِعَنِي)).

''سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایک کتاب لے کر آئے جو ان کو اہل کتاب میں سے کسی سے ملی تھی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غصہ آ گیا اور فرمایا کہ تم بھٹکنے والے ہوا ے ابن

---

① سنن ترمذی ،كتاب التفسير ،رقم :۳۰۰۰،سنن ابن ماجه ،رقم :۱۷٦۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''حسن صحیح'' کہا ہے۔

② منهاج السنه :۵/ ۲۴۸،۲۴۷.

خطاب! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں تمہارے پاس اس سے بھی روشن چیز (دین) لے کر آیا ہوں تم ان (اہل کتاب) سے کچھ نہ پوچھا کرو (کیونکہ کہیں یہ نہ ہو) وہ تمہیں حق بتائیں اور تم اسے جھوٹ کہو (اور جھٹلادو) اور وہ تمہیں ناحق و باطل چیز بتائیں اور تم اس کی تصدیق کر بیٹھو، اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری اتباع کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ ہوتا۔''①

جب اہل کتاب کی منسوخ شدہ آسمانی کتابوں کا مطالعہ بغرض استفادہ حرام ہے تو اہل بدعت کی کتابوں کا مطالعہ بالاولیٰ حرام ہے۔ امام ذہبی رحمہ اللہ محمد بن عمر الزمخشری کے حالات زندگی کے تحت رقم طراز ہیں:

((صالح لكنّه داعية إلى الاعتزال أجار نا الله فكن حذرا من كشّافه.))

''نیک تو تھے لیکن وہ معتزلی عقیدہ کی دعوت دیتے تھے، اللہ ہمیں اس سے پناہ میں رکھے، لہٰذا ان کی (کتاب) ''کشاف'' سے بچ کر رہو۔''②

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ امام ذہبی کا یہ (مذکور) کلام نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: امام ابو محمد ابن ابو جمرہ اپنی ''بخاری کی شرح'' میں جب ان علماء کا تذکرہ کرتے ہیں جو اکثر اُمور میں غلطی پر ہیں تو فرماتے ہیں: ان میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو زمخشری کی کتاب کے مطالعہ کو جائز قرار دیتے ہیں، اور زمخشری کو ابن عطیہ جیسے عظیم علماء پر ترجیح دیتے ہیں اور اس کتاب ''کشاف'' کا نام تعظیم کے ساتھ لیتے ہیں۔

نیز فرماتے ہیں کہ ''کشاف'' کا مطالعہ کرنے والا اگر اس کی زہر افشانیوں کو جانتا ہو تو اس کے لے اس کا پڑھنا صحیح نہیں کیونکہ اس بات کا اندیشہ ہے کہ وہ زہر اس میں داخل ہو جائے گا

① سنن دارمی، رقم:۴۳۵۔ شرح السنه، للبغوی، رقم:۱۲۶۔

② میزان الاعتدال:۳/۳۵۱۔

اوراس کو پتہ بھی نہ چلے گا، وہ اس کے مطالعہ کے سبب جاہلوں کو اس کی تعظیم پر آمادہ کردے گا اور وہ راجح بات پر مرجوح کو مقدم کرے گا۔ اور اگر اس کو اس کی زہر افشانیوں کا پتہ ہی نہ ہو تو پھر اس کے لئے تو بدرجۂ اولیٰ جائز نہیں کیونکہ یہ زہر اس کے اندر اس انداز سے داخل ہوگا کہ اس کو پتہ بھی نہیں چلے گا اور وہ معتزلی و مرجی ہو جائے گا۔'' واللہ الموفق![1]

ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جو شخص گمراہ کن کتابوں کو جلادے اور اسے ضائع کردے اس پر کوئی کفارہ نہیں ہے امام مروزی نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ میں نے (کسی سے) ایک کتاب عاریتاً (چندروز کے لئے مانگ کرلی) لی ہے، اس میں چند ردّی قسم کی باتیں ہیں کیا اسے میں جلادوں یا پھر اسے پھاڑ دوں؟ امام احمد نے فرمایا: اسے جلادو کیونکہ اللہ کے نبی نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ایسی کتاب دیکھی جسے انھوں نے لکھوایا اور قرآن کی موافقت دیکھ کر خوش ہونے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک سرخ ہوگیا یہاں تک کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کتاب کو (جلتے ہوئے) تنور میں ڈال دیا۔''

امام بن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''مقصود و مطلوبِ شریعت یہ کہ آلاتِ موسیقی اور شراب کے برتنوں کو توڑنے کی بنسبت ان کتب کو جلانا، تلف کرنا اور ختم کرنا زیادہ افضل ہے، جن میں جھوٹ اور بدعات بھری پڑی ہیں کیونکہ ان کا نقصان زیادہ ہے۔ اور جس طرح آلاتِ موسیقی، شراب کی بھٹی اور برتنوں کے توڑنے پر کوئی کفارہ اور تاوان نہیں اسی طرح ان کتب کے ضائع کرنے پر بھی کوئی کفارہ و تاوان نہیں ہے۔''[2]

امام ذہبی فرماتے ہیں:

''حافظ سعید بن عمرو البرذعی کہتے ہیں کہ میں ابوزرعہ رحمہ اللہ کے پاس موجود تھا

---

[1] لسان المیزان:۱/۶۵۱۔

[2] الطرق الحکمیة:۲۸۴۔

اسی اثناء میں ان سے حارث المحاسی اور اس کی کتابوں کے بارے میں پوچھا گیا تو ابوزرعہ نے سائل کو کہا کہ ان کتابوں سے بچو، یہ بدعت وضلالت کا پلندہ ہیں، بلکہ ان کے بجائے تم قرآن اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھو، ان میں ایسی تاثیر ہے جو دوسری چیزوں سے بے پرواہ کر دیتی ہے۔ تو ابوزرعہ سے کسی نے کہا: ان کتابوں میں عبرت انگیز باتیں بھی ہیں، تو انہوں نے جواب دیا کہ جس کے لیے کتاب اللہ (قرآن) میں عبرت ونصیحت نہیں اس کے لیے ان کتابوں میں بھی کوئی نصیحت نہیں۔ تم جانتے ہو کہ ان کتابوں کو سفیان اور امام مالک واوزاعی رحمہم اللہ نے لکھا ہے، لوگ بدعت کی طرف کتنی جلدی چلے جاتے ہیں؟ (امام ذہبی فرماتے ہیں کہ حارث ۲۴۳ء میں فوت ہوگیا) حارث کے مثل کہاں ہیں؟ اگر ابوزرعہ متاخرین میں سے ابوطالب کی ''القوت'' کو دیکھ لیتے تو کیا حکم لگاتے؟

''القوت'' جیسی کتب کہاں ہیں؟ اور اسی طرح اگر ابوزرعہ ابن جہظم کی "بهجة الأسرار" دیکھ لیتے تو ان کی کیا کیفیت ہوتی؟ اور سلمی کی "حقائق التفسیر" دیکھ لیتے تو ان کا دماغ ہی اُڑ جاتا، اور اگر ابوزرعہ ابوحامد الطوسی الغزالی "احیا ء العلوم" (جس میں موضوعات کی بھر مار ہے) اور "غنية الطالبين" شیخ قادر کی، اور "فصوص الحکم و فتوحات مکیه" (ابن عربی کی) جیسی کتابیں دیکھ لیتے تو ان کی کیا کیفت و حالت ہوتی اور ان کتابوں کے بارے میں وہ کیا حکم لگاتے؟ بلکہ جس زمانے میں حارث المحاسبی بدعتی ٹولہ قوم کا ترجمان تھا تو اس کے مقابلے میں اس زمانے میں حدیث کے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور اسحاق بن راھویہ رحمہ اللہ جیسے سینکڑوں لوگ تھے لیکن جب حدیث کے امام ابن الدخمیسی اور ابن شحانہ جیسے لوگ بن بیٹھے تو قطب العارفین صاحب "فصوص الحکم" (ابن عربی صوفی) اور ابن سفیان جیسے لوگوں نے ہی بننا تھا۔ ہم اللہ سے درگزر اور نرمی کے برتاؤ کا سوال کرتے ہیں۔ [1]

[1] میزان الاعتدال: ۴۳۱/۱.

ہم کہتے ہیں کہ اگر ابوزرعہ ہمارے زمانے میں موجودہ گمراہ کن کتب ومقالات اور (ملفوظات) کو دیکھ لیتے جو مخالفین کی چکنی چپڑی باتوں کے ذریعے مخالفت سنت اور فاسد عقیدہ کی کھلی دعوت ہیں تو ابوزرعہ کی کیا حالت ہوتی؟ یہ سارا کچھ مسلمانوں کی اجتماعیت اور اتحاد کے نام پر کیا جارہا ہے، ایسے اتحاد سے اللہ کی پناہ جس سے اللہ ناراض ہو۔

امام شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

جب کبھی بھی کوئی ایسا فرقہ گروہ ظاہر ہو جو عوام اور بے علم لوگوں کو گمراہی کی دعوت دیتا ہو اور اس گمراہی کو ان کے سامنے مزین کرکے بیان کرتا ہو تو یہ فرقہ مسلمانوں کے لئے اتنا ہی نقصان دہ ہے جتنا ابلیس، بلکہ یہ انسانوں میں سے شیطان ہیں۔ جب ان کے بارے میں شواہد مل جائیں کہ یہ فلاں گمراہ فرقہ کا ساتھ رکھتے ہیں، تو لوگوں کے سامنے کھول کھول کر بیان کرو کہ یہ گمراہ اور بدعتی ہیں اور ان جیسے لوگوں اور فرقوں کے عیوب ونقائص لوگوں کے سامنے بیان کرنا ضروری ہے، کیونکہ جو نقصانات مسلمانوں کو ان لوگوں سے متنفر کرنے کی وجہ سے لاحق ہوں گے اس کی نسبت وہ نقصانات ان سے کہیں زیادہ ہیں جو ان لوگوں کے عیوب ونقائص بیان نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہوں گے۔ خاص طور پر جب ان نقائص وعیوب کو صرف اس لیے نہ بیان کیا جائے اور ان لوگوں سے عوام کو متنفر اس لیے نہ کیا جائے کہ اس کی وجہ سے مسلمانوں میں پھوٹ پیدا ہوگی، اور یہ لوگ بھی ہمارے دشمن ہو جائیں گے۔ اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ مسلمانوں اور ان دعاۃ کے درمیان فرق کرنا آسان ہے کہ جن کے بدعتی ہونے کے شواہد واضح ہوں، اور ان پر دلائل کے ذریعے حجت قائم ہو چکی ہو۔ اس کے مقابلے میں مسلمانوں اور ان کے دعاۃ اور ان کے ساتھیوں اور پیروکاروں کے درمیان فرق کرنا آسان نہیں، مگر جب دو نقصان دہ چیزیں جمع ہو جائیں تو ان میں سے آسان اور کم نقصان دہ چیز کو اپنانا بہتر ہوتا ہے، ایک نقصان دوسرے نقصان سے بڑھ کر ہوتا ہے، مثلاً گلے ہوئے ہاتھ کو کاٹ دینا اور ختم کر دینا یہ جان کو ختم کر دینے سے آسان و بہتر ہے اور یہی

آپ ﷺ کا طریقہ کار رہا کہ ایک معاملہ کے بڑے نقصان سے بچنے کے لئے کم نقصان کو اختیار فرمایا کرتے۔ [1]

محمد بن حسین الآجری فرماتے ہیں:

((فَلَا يَنْبَغِي لِمَنْ رَأَى اجْتِهَادَ خَارِجِيٍّ قَدْ خَرَجَ عَلَى إِمَامٍ عَدْلًا كَانَ الْإِمَامُ أَوْ جَائِرًا، فَخَرَجَ وَجَمَعَ جَمَاعَةً وَسَلَّ سَيْفَهُ، وَاسْتَحَلَّ قِتَالَ الْمُسْلِمِينَ، فَلَا يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَغْتَرَّ بِقِرَاءَتِهِ لِلْقُرْآنِ، وَلَا بِطُولِ قِيَامِهِ فِي الصَّلَاةِ، وَلَا بِدَوَامِ صِيَامِهِ، وَلَا بِحُسْنِ أَلْفَاظِهِ فِي الْعِلْمِ إِذَا كَانَ مَذْهَبُهُ مَذْهَبَ الْخَوَارِجِ)).

''کسی (مومن) کے لئے جو کسی خارجی شخص کے اجتہاد کو دیکھتا ہے یہ بات لائق وزیبا نہیں کہ اس نے ظالم یا عادل حکمران کے خلاف بغاوت کی ہے اور ایک جماعت کو اس نے اپنے گرد جمع کرلیا ہے، اور اپنی تلوار کو خلیفہ کے خلاف سونت لیا ہے، اور مسلمانوں کے قتل کو حلال سمجھا ہے، تو اس کو چاہیے کہ اس شخص کو قرأتِ قرآن، نماز میں لمبے سجدوں اور روزوں پر ہمیشگی ودوام سے دھوکہ نہ کھائے، اور نہ ہی اس کے علمی الفاظ کے حسن سے دھوکہ کھائے، خاص طور پر جب وہ شخص خارجیوں والا مذہب رکھتا ہو۔'' [2]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''آمدی اور اس جیسے دوسرے لوگ جنھوں نے ان کے طریقہ کو عظیم طریقہ وراستہ

---

① **نوٹ:**..... شیخ ابن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ورقہ بن نوفل نے بھی آپ ﷺ سے کہا تھا کہ جو بھی یہ منہج اور دعوت لے کر آیا ہے اس سے دشمنی ضرور کی گئی۔ اس طرح جو منہج رسول اللہ ﷺ پر چلے گا اس کو بھی دنیا میں اس مخالفت ودشمنی کا سامنا کرنا پڑے گا جس کا سامنا رسول اللہ ﷺ کو کرنا پڑا تھا۔

② الشریعۃ: ۱/ ۱۴۵.

قرار دیا ہے (یعنی فلاسفہ وغیرہ کے) اور انہوں نے ان کتابوں کو کتاب وسنت پر مقدم کیا جو انہوں نے بزعم خویش اسلام کی خاطر لکھی ہیں، جو ان جاہل لوگوں کی اصل بنیاد ہے کہ نفس انسانی کا کمال انہی کمالات کو حاصل کرنے سے ہے، یعنی معقولات کو اپنے احاطہ میں لانا اور مجہولات کا علم حاصل کرنا، اور وہ ان کے طریقے پر چلے اور جہالت، حیرت اور اس بارے میں شک پڑ گئے جس کے بغیر نجات نہیں، نہ اس کی معرفت کے بغیر سعادت حاصل ہو سکتی ہے، چہ جائیکہ اس سے اونچا کمال حاصل ہو سکے۔''①

امام ابن قیم الجوزیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((إن هؤلاء المعارضين للوحي بالعقل بنوا أمرهم على أصل فاسد وهو أنهم جعلوا أقوالهم التي ابتدعوها وجعلوها أصول دينهم ومعتقدهم في رب العالمين هي المحكمة وجعلوا قول الله ورسوله هو المتشابه الذي لا يستفاد منه علم ولا يقين))۔

''ان مخالفین وحی نے بنیاد ایک فاسد و کمزور اصول کو بنایا ہے، وہ اس طرح کہ انہوں نے خود ساختہ اقوال کو ہی اپنے دین کا اُصول بنالیا ہے۔ اور (رب العالمین) کے بارے میں اپنے عقیدے ہی کو فیصلہ کن بنالیا اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے اقوال کو متشابہ قرار دیا ہے جس سے علم اور یقین حاصل نہیں ہوتا۔''②

تقلید شخصی حرام ہے:

مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کہنا کہ:

((فانظر رحمك الله كل من سمعت كلامه من أهل زمانك

① درء التعارض: ۳/ ۲۸۶.

② الصواعق المرسلة: ۳/ ۹۹۰، ۹۹۱.

خاصة فلا تعجلن، ولا تدخلن في شيء منه حتى تسأل وتنظر هل تكلم به أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم أو أحد من العلماء؟ فإن وجدت فيه أثرا عنهم فتمسك به، ولا تجاوزه لشيء، ولا تختر عليه شيئا فتسقط في النار)).

''دیکھیے! اللہ آپ پر رحم کرے کہ ہر وہ بات جو آپ سنیں خاص طور پر ہمارے دور کے لوگوں کی تو اسکی طرف جلدی نہ کیا کرو، اور نہ ہی اس پر وقت تک عمل کی کوشش کیا کرو جب تک آپ علماء سے سوال نہ کرلو اور اس پر غور وفکر نہ کرلو، کہ (یہ بات) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ یا پھر علماءِ حق میں سے کسی نے کہی ہے کہ نہیں؟ یہاں تک کہ صحابہ کرام یا علماء میں سے کسی نے اس بارے میں کوئی بات کی ہو تو اس کو مضبوطی سے تھام لو، اور اس سے تجاوز نہ کرو اور اس پر کسی چیز کو ترجیح نہ دو۔ وگرنہ جہنم میں گر جاؤ گے۔''

منصف رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات ایک اہم مسئلہ کی طرف ہماری راہنمائی کرتی ہے وہ مسئلہ تقلید ہے۔ مسئلہ تقلید کے بارے میں شیخ الاسلام فرماتے ہیں:

''بندہ کو ان سے ڈرنا چاہیے جو ظالم اور جاہل لوگوں کے راستے پر چلتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ وہ علماء کے راستے پر چل رہے ہیں، آپ ان میں سے کسی سے چکی کی آواز تو سنیں گے مگر اس میں آٹا نظر نہیں آئیگا، وہ جس کو علم کے اعلیٰ درجے پر سمجھتا ہے وہ صرف ظاہری دنیا کا علم رکھتا ہے، اور وہ اس علم کے قریب بھی نہیں پھٹکا جو علم اولادِ آدم کے سردار (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) سے ورثہ میں ملا ہے۔''

وہ کثرت قیل وقال کے ذریعے لوگوں کی عزتوں اور مالوں تک پہنچ گیا چنانچہ ان میں سے کوئی ظالم ہے جو اپنی بات میں چھوٹے علماء کے راستے پر بھی نہیں چلا بلکہ گمراہ عوام اور جاہل قصہ گوؤں جیسی بات کرتا ہے، ان میں سے کسی کی بات میں نہ تو درستگی ہوگی نہ کسی جواب

کی تحریر جیسے عقل مند اہل علم کی ہوتی ہے اور نہ ہی ان کے انداز استدلال میں مجتہدین جیسی گہری سوچ وفکر ہے۔

بلکہ یہ تو اقوال ائمہ اور ان کے مآخذ کو نہ جاننے کی وجہ سے اچھی طرح اس کے قریب تک بھی نہیں پہنچ سکے جس کو متوسط درجے کے فقہاء جانتے ہیں ۔احکامِ شرعیہ کے بارے میں باطل کلام قبول نہیں کیا جائے گا، جو (کلام) ایسے گمراہ وبدعتی لوگ بیان کرتے ہیں جنہوں نے انوارِ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے علم حاصل نہیں کیا، بلکہ درحقیقت وہ اپنی خواہشات وآراء کے مطابق (احکام بیان کرتے ہیں اور) کلام کرتے ہیں، یہ جھوٹ اور تحریف کے ذریعے بات کرتے ہیں، یہ دین میں وہ باتیں کردیتے ہیں جو درحقیقت دین نہیں ہوتیں، اگرچہ وہ اپنی گمراہی کی وجہ سے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بھی دین ہے، ان سے دور رہنا، ان سے چوکنا رہنا، کیونکہ یہ دین اللہ کی حفاظت کی وجہ سے محفوظ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان:

((لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِينَ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ وَلَا مَنْ خَذَلَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَهُمْ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ عَلَىٰ ذَالِكَ))[1]

''میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر رہے گی، نہ تو ان کو ان کی مخالفت کرنے والے نقصان پہنچا سکیں گے اور نہ ہی وہ لوگ جو ان کو ذلیل ورسوا کرنا چاہیں گے وہ اسی طرح حق پر رہیں گے، یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ (قیامت) آجائے گا۔''

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

((يَحْمِلُ هَذَا الْعِلْمَ مِنْ كُلِّ خَلَفٍ عُدُولُهُ، يَنْفُونَ عَنْهُ تَحْرِيفَ الْغَالِينَ، وَانْتِحَالَ الْمُبْطِلِينَ، وَتَأْوِيلَ الْجَاهِلِينَ))[2]

---

① صحيح بخاری ،كتاب المناقب،رقم :٣٦٤٠، عن معاويةؓ. صحيح مسلم، كتاب الامارة، رقم:٣٢٨٠٣،عن المغيرةبن شعبهؓ.

② السنن الكبرىٰ،كتاب الشروحات:١٠/٢٠٩.

’’اس علم (علم قرآن وسنت) کو ایک جماعت کے بعد دوسری عادل جماعت حاصل کرے گی، جو اس علم سے غلو کرنے والوں کی تحریف اور اہل باطل کی جھوٹی باتوں اور جاہلوں کی تحریف سے بھی اس کو پاک کرے گی۔‘‘

اس تحریف وتاویل وانتحال کا ارتکاب بہت سارے فقہاء اور کچھ عام لوگوں سے ہوا جو دیندار بھی تھے، زاہد وعبادت گزار اور اصلاح کے خواہاں بھی۔ لیکن ہر وہ شخص جس کے علم وعمل کا منبع وہ علم نہیں جو رسول اللہ ﷺ سے ورثہ میں ملا ہے تو وہ شخص بدعات وخواہشات سے بچ نہیں سکتا بلکہ اس کے تمام اعمال بدعت اور خواہشات نفسی پر مبنی ہوں گے۔

خطیب بغدادی رحمہ اللہ ابن مسعود اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہما کا قول نقل کرتے ہیں کہ:

((الِاقْتِصَادُ فِي السُّنَّةِ خَيْرٌ مِنَ الِاجْتِهَادِ فِي الْبِدْعَةِ))①

’’سنت کے مطابق تھوڑا عمل کرنا بدعت پر چلتے ہوئے زیادہ عمل کرنے سے بہتر ہے۔‘‘

سیّدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((فَانْظُرُوا أَعْمَالَكُمْ، فَإِنْ كَانَتِ اقْتِصَادًا وَاجْتِهَادًا أَنْ تَكُونَ عَلَى مِنْهَاجِ الْأَنْبِيَاءِ وَسُنَّتِهِمْ))②

’’تم اپنے اعمال کا جائزہ لو، اگر چہ وہ تھوڑے ہوں یا زیادہ مگر وہ انبیاءؑ کے منہج پر ہونے چاہئیں۔‘‘

آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ أَحْدَثَ فِي دِينِنَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ))③

’’جس نے ہمارے دین میں کوئی ایسی چیز ایجاد کی جو اس میں نہیں تھی، پس وہ مردود ہے۔‘‘

---

① السنة للمروزی ، رقم: ۷۶، ۷۷۔

② کتاب الزهد، لأحمد، ص: ۱۵۹۔

③ شرح السنة: ۱/ ۱۴۴، رقم: ۱۰۳۔

خطیب بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''جب بکر بن عیاش سے یہ کہا گیا کہ مسجد میں کچھ ایسے لوگ بیٹھے ہیں کہ جن کے پاس اور لوگ بھی آ کر بیٹھتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ جو لوگوں کے لئے بیٹھے گا تو لوگ بھی اس کے پاس آ کر بیٹھیں گے لیکن (فرق یہ ہے کہ) اہل السنہ تو فوت ہو جاتے ہیں مگر ان کا تذکرہ باقی رہتا ہے، کیونکہ انہوں نے اس چیز کو زندہ رکھا جو رسول اللہ ﷺ لے کر آئے تھے۔ اور اہل بدعت مر جاتے ہیں تو ان کا تذکرہ بھی ختم ہو جاتا ہے اس لیے کہ انہوں نے ان چیزوں میں سے کچھ پر عیب لگایا، اور کیڑے نکالے جس کو رسول اللہ ﷺ لے کر آئے تھے۔ تو اللہ نے بھی اس سے براءت کا اظہار کیا، لہٰذا وہ بھی اللہ تعالی کے اس فرمان کا مصداق ہیں:

﴿اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ﴾ (الکوثر: ۳)

''بے شک آپ کا مخالف ہی بے نام ونشان ہوگا۔''

وہ اسباب جن کی بناء پر اللہ تعالی کی مخلوق اکثر گمراہ ہوتی ہے ان میں سے بڑا سبب اندھی تقلید ہے۔ امام شاطبی رحمہ اللہ نے احکام شریعت کے لحاظ سے لوگوں کو تین گروہوں میں تقسیم کیا ہے:

1۔ جو احکام شریعت میں اجتہاد کر سکتا ہو، اس کا حکم یہ ہے کہ جیسا اس کے اجتہاد نے اسے حکم دیا اس پر عمل کرلے۔

2۔ خالص مقلد ہو علم سے بالکل کورا ہو۔ اس کو ایک گائیڈ و رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے، جو اس کو چلائے۔

3۔ تیسرا وہ جو مجتہد کے درجہ کو نہ پہنچا ہو، لیکن دلیل اور اسکے مواقع استعمال اور راجح اور مرجوح قرار دینے میں اس کا ذہن صحیح کام کرتا ہو۔''[1]

1:.....امام شاطبی نے آخری قسم و گروہ کو پہلی دو قسموں کے درمیان گردانا ہے کہ اگر اسپر ترجیح کا اعتماد کریں تو وہ مجتہد ہے اور اگر ترجیح کا اعتبار نہ کریں تو وہ عام ان پڑھ جاہل لوگوں کے حکم میں

[1] الاعتصام: ۲/ ۳۴۳.

ہے۔اور تیسرا درجہ وہ ہے جسے بعض علماء نے اتباع کا درجہ دیا ہے [1]، مقلد اور متبع کے درمیان فرق آگے بیان ہوگا۔ان شاء اللہ

شیخ عبدالرحمٰن بن حسن آل الشیخ فرماتے ہیں:

''ہر امام کے پاس علم کا کچھ ہی حصہ ہوتا ہے پورا نہیں، لہٰذا ہر مکلف (عاقل، بالغ اور مسلم) پر یہ بات واجب ہے کہ جب اس کے پاس کتاب وسنت کی دلیل پہنچ جائے اور اس کے معنی کا فہم بھی حاصل ہوجائے تو اس کو چاہیے کہ وہ اس تک پہنچ کر اس پر عمل کرے اگرچہ بعض لوگ اس کی مخالفت کر رہے ہوں جس طرح کہ رب تعالیٰ کا فرمان ہے:

(اتَّبِعُوا مَآ اُنۡزِلَ اِلَيۡكُمۡ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَلَا تَتَّبِعُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اَوۡلِيَآءَ ؕ)

(الاعراف:۳)

''اور تم لوگ اس کی اتباع کرو جو تمہارے رب کی طرف سے آئی ہے، اور رب کو چھوڑ کر دوسرے فریقوں کی اتباع مت کرو۔'' [2]

یہاں پر شیخ نے جو شرط لگائی ہے کہ (وہ اس کے معنی کو سمجھ جائے) اس کو ضرور یاد رکھنا چاہیے، اس میں کوئی شک نہیں کہ بہت سارے مسلمان کتاب وسنت کی ہدایت ورہنمائی سے منہ موڑنے، اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اس امت کے سلف (صحابہ کرام وتابعین) کے طریقے کو چھوڑنے کے سبب اندھی تقلید میں گرتے جارہے ہیں، بلکہ شریعت کی مخالفت میں گرتے جارہے ہیں، جس کے نتیجہ میں اُمت مسلمہ گروہوں، جماعتوں اور فرقوں میں تقسیم ہوچکی ہے۔

تقلید کی حرمت کے متعلق ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کا قول:

ابن قیم رحمہ اللہ نے تقلید حرام کی تین قسمیں بیان کی ہیں:

[1] الاعتصام:۲/ ۳۴۳۔

[2] فتح المجید، ص:۳۴۵۔

1۔ اس چیز سے منہ موڑنا جو اللہ نے نازل فرمائی ہو، اور اس کی طرف رجوع نہ کرنا، بلکہصرف آباء واجداد کی تقلید پر اکتفا کرنا۔

2۔ اس شخص کی تقلید کرنا جس کے بارے میں مقلد (تقلید کرنے والا) یہ بھی نہ جانتا ہو کہ یہ شخص اس قابل بھی ہے کہ اس کے قول کو لیا جائے۔

3۔ مقلد کے قول کے برعکس حجت قائم ہوجانے اور دلیل کے ظاہر ہوجانے کے بعد تقلید کرنا۔

اجتہاد میں کسی کے پیچھے چلنا:

امام ابن قیم رحمہ اللہ کی تقلید محرم (تقلید کی وہ صورت جو حرام ہے) کی تقسیم سے یہ بات سمجھی جاسکتی ہے کہ جو شخص ان اقسام میں سے کسی کو بھی اختیار کرتا ہے اس کی مذمت اور اس پر ملامت اسی کے مطابق ہوگی، اور جو ائمہ کرام نے تقلید کی مذمت کی ہے، وہ بھی (انہی اقسام) کے تناظر میں کی ہے۔

شیخ عبدالرحمن بن حسن آل شیخ فرماتے ہیں:

''امام احمد کے اس قول: ''مجھے ان لوگوں پر حیرت ہوتی ہے کہ وہ کوئی حدیث سنتے ہیں، اور اس کی سند کی صحت کو بھی پہچانتے ہیں، لیکن اس کے باوجود اس حدیث کو چھوڑ کر سفیان وغیرہ کی رائے کو لیتے ہیں۔'' میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دلیل پہنچنے سے پہلے کی گئی تقلید مذموم نہیں ہے بلکہ منکر یہ ہے کہ دلیل کے پہنچ جانے کے بعد دلیل کو چھوڑ کر ائمہ میں سے کسی ایک امام کے قول کو ترجیح دی جائے۔

کن مسائل میں تقلید جائز ہے اور کس کے لئے؟

شیخ عبدالرحمن بن حسن فرماتے ہیں:

((لا يسوغ التقليد إلا في مسائل الاجتهاد التي لا دليل منها يرجع إليه من كتاب ولا سنة))۔

''تقلید صرف اجتہادی مسائل میں جائز ہے جس کے بارے میں کتاب وسنت میں کوئی ایسی دلیل نہ ملے جس کی طرف اس مسئلہ کے حل کے لیے رجوع کیا جائے۔''①

امام شنقیطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اجتہاد صرف دو چیزوں میں ہوتا ہے:

1۔ جس کے بارے میں سرے سے کوئی نص نہ ہو۔

2۔ اس مسئلہ میں نصوص تو ہوں مگر بظاہر آپس میں متعارض ومخالف ہوں، اس صورت میں یہ بات لازم ہے کہ اجتہاد کے ذریعے تو ان دونوں میں جمع کی صورت پیدا کی جائے یا پھر ایک نص کو دوسری پر ترجیح دی جائے۔''②

امام احمد کا یہ اُصول ہے کہ تعارض کے وقت ایک نص کو دوسری نص پر ترجیح دینے سے پہلے آثار صحابہ اور اس نص کے بارے میں ان کے فہم کو ضرور دیکھتے ہیں۔ اگر ان کی طرف سے کچھ نہ ملے تو پھر اپنی طرف سے اجتہاد کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام فرماتے ہیں:

''اجتہادی مسائل میں اگر کوئی آدمی علماء میں سے کسی ایک کے قول پر عمل کرتا ہے تو اس کی مذمت نہیں کی جائے گی، اور نہ ہی اس سے تعلق توڑا جائے گا، اور اگر اس مسئلہ میں دو قول ہیں تو وہ ان دونوں میں سے ایک (کو ترجیح دے کر اس) پر عمل کرتا ہے تب بھی اس کی مذمت نہیں کی جائے گی (اور اگر وہ ترجیح نہیں دے سکتا) تو وہ راجح قول کے معاملہ میں علماء میں سے کسی ایک کے اجتہاد پر چلے گا۔''③

رہی بات کہ کس کے لیے اجتہاد پر عمل کرنا جائز ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہر اس آدمی کے لیے اجتہاد پر عمل کرنا جائز ہے جو دینی شرعی مسائل میں سے کسی مسئلہ کے حکم کو جاننے سے قاصر وعاجز ہو۔ تو ایسے شخص کو چاہیے کہ اس مسئلہ کے بارے میں وہ کسی ایسے عالم سے سوال

---

① فتح المجید، ص:۳۴۵. ② أصول الفقه علی روضة الناظر، ص:۳۱۴،۳۱۵.

③ مجموع الفتاوی:۲۰/۲۰۷.

کرے جس کو وہ اس مسئلہ کے بارے میں دین (عمل) اور علم کے اعتبار سے پختہ سمجھتا ہو، تو اس حالت میں اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس عالم کی بات پر عمل کرے۔ چنانچہ شیخ الاسلام فرماتے ہیں:

''جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کو جاننے سے عاجز ہے اس صورت میں کسی ایسے دین دار عالم کی پیروی کرے جس کے بارے میں وہ یہ نہیں جانتا ہے کہ اس (عالم) کے قول و بات سے کسی اور کی بات راجح ہے، تو ایسا کرنے پر نہ تو اس کی مذمت کی جائے گی، اور نہ ہی ردّ و تعاقب کیا جائے گا، بلکہ اس کا یہ فعل قابل تعریف ہے۔''①

تقلید اور اتباع میں فرق:

مختار احمد الشنقیطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''تقلید اور اتباع کے درمیان جو فرق ہے، اس فرق کو جاننا ضروری ہے، جہاں اتباع ہوگی وہاں تقلید ہرگز جائز نہیں ہے، اس بات کی وضاحت کچھ یوں ہے کہ جس مسئلہ میں کتاب اللہ، یا سنت رسول، یا پھر مسلمانوں کے اجماع میں سے اگر کوئی دلیل اس مسئلہ میں مل جاتی ہے تو اس مسئلہ میں کسی بھی صورت میں تقلید جائز نہیں ہے، کیونکہ جو اجتہاد (نص کے مخالف ہو) وہ اجتہاد باطل و فاسد ہے، اور کسی کے اجتہاد پر عمل صرف اجتہادی مسئلہ میں جائز ہے، کیونکہ نصوص (دلائل) کتاب و سنت مجتہدین پر حاکم (و فیصل) ہیں، ان (مجتہدین) میں سے کسی کو بھی لائق و زیبا نہیں کہ وہ ان دونوں کی مخالفت کرے، چاہے وہ کوئی بھی ہو۔''

اور اس مسئلہ میں بھی تقلید جائز نہیں جو کتاب و سنت یا اجماع کے خلاف ہو، کیونکہ حق کے علاوہ کسی اور چیز میں کسی کو نمونہ و اسوہ بنانا صحیح نہیں ہے۔ اور جس چیز (مسئلہ) پر نصوصِ شرعیہ دلالت کریں ان میں صرف اور صرف اتباع ہے۔

① مجموع الفتاوی: ۲۰/۲۲۵.

جس مسئلہ پر کتاب وسنت میں سے کوئی ایسی نص دلالت کرے جو کسی دوسری نص کے معارض نہ ہو، (اس مسئلہ میں) بھی نہ تو اجتہاد کیا جا سکتا ہے، اور نہ ہی تقلید کرنا جائز ہے۔

اتباع اور تقلید کے درمیان فرق ایک واضح اور معروف معاملہ ہے جس کے بارے میں اہل علم کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے، جو کام وحی پر عمل کرتے ہوئے کیا جائے وہ اتباع ہے، تقلید نہیں۔ مذکورہ بالا عمل کو آیاتِ قرآنیہ میں اتباع کا نام دیا گیا ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

(اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ؕ) (الاعراف:۳)

''اور تم لوگ اس کی اتباع کرو جو تمہارے رب کی طرف سے آئی ہے، اور رب کو چھوڑ کر دوسرے فریقوں کی اتباع مت کرو۔''

دوسرے مقام پر فرمایا:

(وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ) (الزمر:۵۵)

''اور پیروی کرو اس بہترین چیز کی جو تمہاری طرف تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔''

نیز فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

(اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ) (الاعراف:۲۰۳)

''آپ فرما دیجئے کہ میں اس کی اتباع کرتا ہوں جو مجھ پر میرے رب کی طرف سے حکم بھیجا گیا ہے۔''[1]

اور ابن قیم رحمہ اللہ نے اس بات کی بھی تصریح فرما دی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مسائل کو حاصل کرنا بھی اتباع کے قبیل سے ہے، نہ کہ تقلید کے قبیل سے۔

[1] اضواء البیان: ۷/۵۴۷، ۵۴۸۔

مسئلہ تقلید کے قواعد وضوابط

1۔ مجتہد کے اجتہاد پر عمل کرنے والے کے لیے یہ بات لازم ہے کہ وہ جس کے اجتہاد پر عمل کر رہا ہے، صرف اس طور پر مانے کہ جس علم کی حاجت ہے اسے اس کا علم ہے اور اس طور پر کہ وہ اس علم سے استفادہ کا ذریعہ ہے چنانچہ جب اسے اس کا علم یا گمانِ غالب ہو کہ جس کی بات پر وہ عمل کر رہا ہے، وہ غلطی وخطا پر ہے تو اس کو چاہیے کہ اس کی بات چھوڑ دے، کیونکہ غلطی وخطاء کا امکان ہر شخص میں موجود ہے۔

2۔ جس کی تقلید میں شرعاً غلطی واضح ہو جائے اس کی تقلید پر اڑا نہ رہے۔

3۔ ایک عام شخص کو چاہیے کہ وہ فتویٰ صرف اس شخص سے معلوم کرے جس کے بارے میں اس کو غالب گمان ہو کہ وہ فتویٰ دینے کے قابل ولائق ہے، اور اگر ایک شہر میں کئی مجتہد ہوں تو وہ جس سے چاہے سوال کر لے۔

4۔ ایک متعین مذہب پر اڑے رہنا، اور ایک مخصوص عالم کی تقلید کرنا، اس انداز میں کہ جو وہ حکم دے، اس پر عمل کرے اور جس چیز سے وہ منع کرے، اس سے رُک جائے، باطل وناحق ہے، اور یہی اصل ہے جس کی وضاحت میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

((وَلَا يَجِبُ عَلَى أَحَدٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ تَقْلِيدُ شَخْصٍ بِعَيْنِهِ مِنَ الْعُلَمَاءِ فِي كُلِّ مَا يَقُولُ))۔

''کسی مسلمان پر علماء میں سے کسی متعین شخص کی اس کی کہی ہوئی تمام باتوں میں تقلید کرنا واجب نہیں ہے۔''[1]

---

[1] مجموع الفتاوى: ۲۰/۲۰۹.

اور جس شخص نے اپنے آپ کو علماء میں سے کسی ایک متعین عالم کی طرف منسوب کیا ہوا ہے، اس کے لیے یہ بات جائز و صحیح نہیں کہ اس کی نسبت کی بنیاد پر لوگوں سے دوستی و دشمنی رکھے ایسا کرنے والا اہل بدعت میں سے ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وَمَنْ نَصَبَ شَخْصًا كَائِنًا مَنْ كَانَ فَوَالَى وَعَادَى عَلَى مُوَافَقَتِهِ فِي الْقَوْلِ وَالْفِعْلِ فَهُوَ {مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا}))[1].

''جس نے کسی شخص کو کھڑا کر لیا چاہے وہ کوئی بھی ہو اور قول و فعل میں اس کی موافقت کی بنیاد پر دوستی و دشمنی کیا، وہ ان لوگوں میں سے ہے جس نے اپنے دین کو جدا کر لیا اور ایسے لوگ گروہ گروہ بن گئے۔''

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

''ایسی نسبت جس کی وجہ سے مسلمانوں میں افتراق پیدا ہو، اور اس میں جماعت اور الفت و محبت سے نکل کر فرقہ بندی اور بدعتیوں کی راہ پر چلنا پڑے، اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اتباع کو چھوڑنا لازم آئے یہ وہ چیز ہے جس سے منع کیا گیا ہے۔ ایسا کرنے والا گناہ گار ہوگا، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے نکل جائے گا۔''[2]

اتباع کے متعلق ایک اہم اصول:

غیر مجتہد کی خطا گمراہی ہے، جس کا سبب خواہشات کو حاکم بنالینا، متشابہات کی اتباع کرنا اور جماعت سے الگ ہو جانا ہے۔ اس میں یہ ہوتا ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اس کا امام، یا ساتھی، یا وہ خود ہی اپنے بارے میں یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ وہ مجتہدین میں سے ہے، اور اس کا قول قابل

---

① مجموع الفتاوى: ۲۰/ ۲۹۲.

② مجموع الفتاوى: ۱۱/ ۵۱۴.

اعتبار ہے، کبھی وہ کسی جزء کی مخالفت کرتا ہے جو کہ ہلکی چیز ہے اور کبھی وہ کلیات شرعیہ میں سے کسی چیز کی مخالفت کرتا ہے، چاہے وہ کلیات، احوالِ اعتقادات میں سے ہوں یا احوال اعمال میں سے۔ چنانچہ آپ اسے دیکھیں گے کہ وہ کلیاتِ شرعیہ کو ڈھاتے ہوئے جزئیات شرعیہ کو اختیار کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ اپنی ابتدائی رائے سے جو چیز ظاہر ہو، اس چیز کے معنی کا احاطہ کیے بغیر اسی طرف چل پڑتا ہے، اور احتیاجاً نص کی طرف رجوع نہیں کرتا، اور نہ ہی ان چیزوں کے فہم میں مرویاتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کو تسلیم کرتا ہے، اور ان کاموں پر جو چیزیں اس کو اُبھارتی ہیں، وہ درج ذیل ہیں:

1۔ نفس میں موجود بعض خواہشات جو واضح دلیل سے ہدایت یافتگی کے ترک پر اُبھارتی ہیں۔

2۔ اپنے علم کی رسائی میں ناانصافی اور عاجزی کا اعتراف نہ کرنا۔

3۔ طلب علم کے نتیجہ کے حصول میں عجلت اختیار کرنا، چنانچہ یہ وہم رکھنا کہ وہ درجۂ اجتہاد تک پہنچ کا ہے۔

4۔ مقاصد شرعیہ سے جاہل ہونا۔

افتراق واختلاف سے بچانے والے اسباب

1۔ ہر معلوم حق کی نشرواشاعت مطلوب نہیں ہوتی، اگرچہ وہ علم شریعت میں سے ہو، بعض حقائق ان میں ایسے ہیں جس کی نشرواشاعت ضروری ہوتی ہے، اور شریعت کا زیادہ تر حصہ ایسا ہی ہے، اور ان میں سے بعض حقائق کی تو علی اطلاق نشرواشاعت مقصود نہیں ہوتی اگر ہوتی بھی ہے تو کسی مخصوص حال، وقت یا شخص کے اعتبار سے، کیونکہ یہ اگرچہ حق ہے لیکن اس سے فتنہ پھیلتا ہے، صحیح مسلم میں سیّدنا علی اور سیّدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: ((حَدِثُوا النَّاسَ بِمَا يَفْقَهُوْنَ.))

''لوگوں کو ایسی احادیث بیان کرو جنہیں وہ سمجھ سکیں۔''

ایک اور روایت کے الفاظ ہیں: ((بِمَا يَعْقِلُوْنَ))

((أَتُرِيْدُوْنَ أَنْ يُكَذَّبَ اللهُ وَرَسُوْلُهُ.))

''کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی جائے؟''

اور ''صحیحین'' میں سیّدنا معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: ''کیا میں لوگوں کو خوشخبری نہ دے دوں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَاتُبَشِّرْهُمْ فَيَتَّكِلُوْا))۔

''ان کو یہ خبر نہ دو ورنہ وہ اسی پر بھروسہ کر لیں گے۔''

''صحیح بخاری'' میں سیّدنا عبداللہ ابن عباس، اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: ''کاش تم حاضر ہوتے اس وقت جب امیر المؤمنین سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آکر کہنے لگا: فلاں شخص کہتا ہے کہ اگر امیر المؤمنین وفات پا گئے تو ہم فلاں کی بیعت کر لیں گے۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ البتہ ضرور میں رات کے وقت کھڑا ہوں گا، اور اس گروہ کے ان

لوگوں کو ڈراؤں گا جو ان لوگوں کو غصہ دلاتے ہیں۔ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو) میں کہتا ہوں آپ ایسا نہ کریں، کیونکہ بے شک موسم حج میں بہت سے غیر تہذیب یافتہ لوگ اکٹھا ہوں گے اور وہ آپ کی مجلس پر غالب آ جائیں گے، پس میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ آپ کی بات کو صحیح مقام نہ دیں اور ہر طرف پھیلا دیں، لہٰذا آپ رُکیں یہاں تک کہ مدینہ، ''دار ہجرت'' اور ''دار سنت'' پہنچ جائیں، اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم، مہاجرین وانصار کے ساتھ بیٹھیں، وہ آپ کی باتوں کی حفاظت کریں گے، اور اسے صحیح مقام دیں گے تو انھوں نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں ضرور مدینہ میں سب سے پہلے جہاں ٹھہروں گا یہ کام انجام دوں گا۔''

2۔ ابتدائی علم والے کے سامنے انتہائی علم کی باتیں نہ ذکر کی جائیں، بلکہ ابتدائی علم والے کی درجہ بدرجہ کم علم سے زیادہ علم کی طرف راہنمائی کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾)

(آل عمران:۷۹)

بلکہ وہ تو کہے گا کہ تم سب رب کے ہو جاؤ، تمہارے کتاب سکھانے کے باعث اور تمہارے کتاب پڑھنے کے سبب۔

''اس آیت کی تفسیر میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یعنی لوگوں کو کم علم سے زیادہ علم کی طرف تربیت دیتے ہیں۔''[1]

3۔ قاعدۂ ''سد الذرائع'' کا اہتمام کرنا، اس کی دو اقسام ہیں: پہلی یہ کہ فعل کی مصلحت اس کی مفسدت پر غالب ہو، دوسری یہ کہ فعل کی مفسدت اس کی مصلحت پر راجح ہو، اس طرح یہاں اس کی چار قسمیں ہیں:

1: مفسدت کی طرف لے جانے والا وسیلہ، جس طرح نشہ آور چیز کا پینا نشہ کی طرف لے جاتا ہے، اور زنا اختلاط المیاہ (کئی مردوں کی منی کا ایک رحم میں جمع ہو جانا، اس سے ولدیت کا معاملہ پیدا ہو جاتا ہے) کی طرف اور فساد فراش (یعنی بچہ صاحب فراش کا ہے یا اس کے

[1] صحیح بخاری.

غیر کا) کی طرف لے جاتا ہے۔

2: ایک ایسا وسیلہ جو مباح تو ہے لیکن اس مباح چیز سے مفسدہ تک پہنچنے کا ارادہ کیا جائے، اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نکاح کرے لیکن نیت حلالہ کی ہو۔

3: وسیلہ مباح ہو، اور اس مفسدت کا ارادہ بھی نہ ہو، لیکن وہ وسیلہ اکثر مفسدت کی طرف لے جاتا ہو، اور اس مباح چیز کی مفسدت اس کی مصلحت پر غالب ہوتی ہے، جیسے ''اوقاتِ ممنوعہ'' میں نماز ادا کرنا اور بیوہ عورت کا عدت کے ایام میں بناؤ سنگار کرنا۔

4: وسیلہ ہے تو مباح لیکن کبھی کبھی مفسدت کی طرف لے جاتا ہے، اور اس وسیلہ کی مصلحت، اس کی مفسدت پر راجح ہے، جس طرح کہ اس عورت کو دیکھنا جس کے لیے نکاح کا پیغام بھجوایا ہو، یا اوقات ممنوعہ میں سببی اعمال انجام دینا۔

کتاب وسنت سے اس کی مثالیں:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

(وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ)(الانعام:۱۰۸)

''مشرکین کے معبودوں پر طعن وتشنیع نہ کرو کہ وہ اللہ پر دشمنی کرتے ہوئے بغیر علم کے طعن وتشنیع کریں گے۔''

اللہ تعالیٰ نے ''آلهة المشركين'' پر طعن وتشنیع سے منع فرمایا ہے، کہ کہیں یہ اللہ تعالیٰ پر طعن وتشنیع کا سبب نہ بن جائے اور اللہ تعالیٰ کو گالی دینے سے بچانا ہمارے ان کے معبودوں کو گالی دینے کی مصلحت پر راجح ہے۔

اس کی ایک دوسری مثال کہ اللہ تعالیٰ نے کلیم اللہ سیّدنا موسیٰ علیہ السلام، اور ان کے بھائی سیّدنا ہارون علیہ السلام کو یہ فرمایا:

(اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۴۳﴾ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴿۴۴﴾)(طٰہٰ:۴۳، ۴۴)

''تم دونوں سرکش فرعون کے پاس جاؤ، پس اس سے نرم لہجے میں بات کرو، شاید کہ وہ نصیحت حاصل کرے یا اللہ تعالیٰ سے ڈر جائے۔''

تو اللہ تعالیٰ نے کفر کے اعتبار سے اپنے سب سے بڑے دشمن، اور مخلوق میں سب سے بڑے نافرمان کے لیے ان دونوں کو نرم لہجے میں بات کا حکم دیا ہے، تاکہ سخت بات حق ہونے کے باوجود کہیں اس کے لیے نفرت اور عدم صبر کا باعث نہ بن جائے، اور اس پر حجت قائم نہ ہو سکے، لہٰذا ان دونوں کو جائز بات سے منع فرمایا تاکہ اس کا نتیجہ کسی مکروہ بات کی صورت میں نہ نکلے، جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہو۔

3: تیسری مثال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا منافقین کے قتل سے رُک جانا ہے، اور یہ رُکنا ایک مصلحت کے سبب تھا کہ قتل منافقین، اسلام سے لوگوں کی نفرت کا باعث نہ بن جائے، لوگ یہ نہ کہنے لگ جائیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کو قتل کروا رہا ہے، اور پھر یہ قول، مسلم اور غیر مسلم دونوں کے لیے اسلام سے نفرت کا باعث بن جاتا اور نفرت اسلام کی مفسدت (فساد) ترکِ قتلِ منافقین کی مفسدت سے بڑی تھی جب کہ تالیف کی مصلحت، قتل منافقین کی مصلحت سے بڑی ہے۔

4: چوتھی مثال اللہ تعالیٰ کا مکہ میں مؤمنین کو انتقام لینے سے منع کرنا، اور عفو و درگذر کا حکم دینا ہے تاکہ مؤمنین کا انتقام لینا ایک عظیم مفسدت کا ذریعہ نہ بن جائے جو نظر انداز کرنے اور ظلم اُٹھانے کی مفسدت سے بڑھ کر ہے، اور مومنین کے دین و جان اور اولاد کی حفاظت کی مصلحت، انتقام اور مقابلہ کی مصلحت پر راجح ہے۔

5: پانچویں مثال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکمرانوں سے قتال کو منع فرمانا ہے، اگرچہ حکمران ظالم ہی کیوں نہ ہوں، جب تک وہ نماز پڑھتے رہیں، ان پر خروج کرنا منع ہے۔ اور یہ ایک بڑے فساد اور حکمرانوں سے قتال کے سبب کثیر شر کے سد باب کے لیے ہے، جیسا کہ واقع ہے کہ ان سے لڑائی اور بغاوت کے سبب اس سے کہیں زیادہ فساد آیا ہے جسے وہ پہلے سے جھیل رہے تھے، اور یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

((إِذَا بُويِعَ لِخَلِيفَتَيْنِ، فَاقْتُلُوا الْآخَرَ مِنْهُمَا))[1].

[1] صحيح مسلم، كتاب الإمارة، رقم:٣٣.

''جب دو خلیفوں کی بیعت کی جائے تو ان میں سے دوسرے کو قتل کر دو۔''
اور یہ حدیث اسی فتنہ کے سد باب کے لیے ہے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((واعلم أن الخروج من الطريق على وجهين: أما أحدهما: فرجل زل عن الطريق، وهو لا يريد إلا الخير، فلا يُقتدى بزلته، فإنه هالك، وآخر عاند الحق وخالف من كان قبله من المتقين، فهو ضال مضل، شيطان مريد في هذه الأمة، حقيق على من يعرفه أن يحذر الناس منه، ويبين لهم قصته؛ لئلا يقع أحد في بدعته فيهلك))۔

''جان لو کہ راہِ مستقیم سے خروج دو طرح سے ہوتا ہے: پہلا یہ کہ ایک شخص راہ سے ہٹ جائے جبکہ اس کا مقصد خیر ہو، تو اس شخص کی لغزش کی اقتدا نہیں کی جائے گی کیونکہ وہ بہک چکا ہے۔ دوسرا وہ شخص جو حق سے بغض رکھتا ہو اور اپنے سے قبل کے متقین افراد کی مخالفت کرتا ہو، تو ایسا شخص گمراہ، گمراہ گر اور اس امت کا ہٹ دھرم ہے۔ اور جو شخص اس کی حقیقت جان لے اس پر واجب ہے کہ لوگوں کو اس سے بچائے اور ان کے سامنے اس کی حقیقت کو واضح کرے تا کہ کوئی شخص اس بدعتی کی بدعت میں پڑ کر ہلاک نہ ہو جائے۔''

مصنف فرماتے ہیں:..... ''پہلا یہ کہ ایک شخص راہ سے ہٹ جائے جبکہ اس کا مقصد خیر ہو، تو اس شخص کی لغزش کی اقتدا نہیں کی جائے گی کیونکہ وہ بہک چکا ہے۔'' بہتر ہے کہ اس باب میں یعنی سنت و حدیث سے نسبت رکھنے والے علماء سے سرزد غلطیوں پر کلام اہل سنت کے بڑے علماء ہی کر سکتے ہیں جنھوں نے کلی اصولوں کا احاطہ کیا ہے اور مقاصد شریعت اور اسکے عام قواعد کو پختگی سے از بر کیا ہے۔ لہٰذا ان کا مخالف اہل السنہ پر حکم لگانا علم و عدل کے ساتھ ہوتا ہے، چنانچہ انھوں نے دین کے حق کی حفاظت کی اور مؤمنین کے حقوق کی

پاسداری کی۔

ضروری ہے کہ یہاں ان بعض ضوابط کا ذکر کر دیا جائے کہ جنہیں اہل السنہ کے مخالف لوگوں کے ساتھ ملحوظ رکھا جانا چاہیے۔

1۔ تمام مختلف فیہ مسائل کے جنس کا ضروری علم، اور اس بات کا علم کہ اس مسئلہ میں کلام کس باب سے کیا جائے اور یہ کہ حق اس مسئلہ کے اثبات میں ہے یا نفی میں؟

2۔ کسی بھی چیز کو شبہات وظنون کی بنا پر حق وباطل یا پسندیدہ اور مذموم بنانا ناجائز ہے۔

3۔ علماء کے مذاہب اور ان کے اقوال، جملوں کے اطلاقات اور ساخت سے ثابت کرنا صحیح نہیں، بلکہ ان پر دو طریقوں سے غور وفکر کرنا واجب ہے۔

ا:..... اس کلام کے کہنے والے کی تفسیر کی طرف رجوع۔

ب:..... یہ دیکھنا کہ کیا یہ کلام اپنے قائل کے اُصول کے مطابق ہے؟

شیخ الاسلام فرماتے ہیں:

((وأخذ مذاهب الفقهاء من الإطلاقات من غير مراجعة لما فسروا به كلامهم وما تقتضيه أصولهم يجر إلى مذاهب قبيحة))[1]

''مذاہب فقہاء کو ان فقہاء کے اپنے کلام کی تفسیر کی طرف مراجعت کیے بغیر اور ان فقہاء کے اُصولوں کے تقاضہ کا لحاظ رکھے بغیر مطلق جملوں سے اخذ کرنا قبیح مذاہب کی طرف لے جاتا ہے۔''

4۔ تین شروط کے ذریعہ مخالف سے ملامت رفع کر دینا۔

ا:..... کہ یہ مخالفت خفی اور دقیق معاملات میں ہو۔

ب:..... یہ مخالفت ایسے اجتہاد کی وجہ سے ہو جس میں مجتہد نے طلب حق کی بھرپور کوشش کی ہو۔

---

① الصارم المسلول: ۲/ ۵۱۲.

ج :..... اس کی درستی اور اتباع اس قدر ہو جو اس کی مخالفت کو ڈبو دے۔'' [1]

5۔ مخالف کی عظمت اور قدر و منزلت کی رعایت نہیں کی جائے گی بلکہ اس کی مخالفت کو اس کی فضیلت اور قدر و منزلت کی معرفت کے باوجود رد کر دیا جائے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ سلف صالحین رحمہم اللہ نے ہمیشہ ایک عالم کی گمراہی سے ڈرایا ہے اور اس سلسلہ میں وہ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا ایک اثر پیش کرتے ہیں:

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اپنے ہر خطبہ میں یہ بات کہتے تھے کہ ''شک کرنے والے ہلاک ہو گئے، تمہارے بعد فتنے ہیں کہ جس میں مال کی کثرت ہوگی، اور قرآن کھولا جائے گا، اور اس اس کا علم عام ہو جائے گا، اور مومن، منافق، عورت، بچہ، کالا اور گورا سب اسے پڑھیں گے، اور ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کوئی کہے کہ ''میں نے قرآن پڑھا اور میرا یہی خیال ہے کہ لوگ میری اتباع نہیں کریں گے، جب تک کہ میں ان کے لیے کوئی بدعت نہ بنا لوں۔'' لہٰذا تم بدعت سے بچو کہ ہر بدعت گمراہی ہے، اور تم ایک عالم کی گمراہی سے بچو! کیونکہ شیطان کبھی کبھی عالم کی زبان سے گمراہی کا کلمہ نکلوا دیتا ہے اور کبھی کبھی منافق بھی کلمہ حق کہہ دیتا ہے، لہٰذا حق حاصل کرو جہاں سے بھی ملے، کیونکہ حق ہی نور ہے۔'' لوگوں نے پوچھا: عالم کی گمراہی کیا ہے؟ تو فرمایا: یہ ایسا کلمہ ہے جو تمہیں گھبراہٹ میں ڈال دے گا، اور تم سوچو گے، اور کہو گے کہ اس عالم نے یہ کلمہ کیسا کہا ہے، لہٰذا اس گمراہی سے بچو، اور یہ چیز تمہیں اس عالم سے دور نہ کر دے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ حق کی طرف رجوع کر لے، اور بے شک علم اور ایمان قیامت تک موجود رہیں گے، جو انہیں تلاش کرے گا پا لے گا۔''

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

((وَيْلٌ لِلْأَتْبَاعِ مِنْ عَثَرَاتِ الْعَالِمِ. قِيلَ: كَيْفَ ذٰلِكَ؟ قَالَ: يَقُولُ الْعَالِمُ شَيْئًا بِرَأْيِهِ ثُمَّ يَجِدُ مَنْ هُوَ أَعْلَمُ بِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُ فَيَتْرُكُ قَوْلَهُ ذٰلِكَ ثُمَّ يَمْضِي الْأَتْبَاعُ))۔

---

[1] المجموع: ۱۳/ ۹۴، ۹۵۔

''عالم کی لغزشوں کی اتباع کرنے والے ہلاکت میں ہیں۔لوگوں نے پوچھا: وہ کیسے؟ تو آپ نے فرمایا: ''ایک عالم اپنی رائے سے کوئی بات کہتا ہے پھر اس کی اتباع میں کوئی شخص جو رسول اللہ ﷺ کی بابت اپنے سے زیادہ علم والے کو پاتا ہے تو اپنی رائے چھوڑ دیتا ہے لیکن اس کے پیروکاران اس پر کاربند رہتے ہیں۔''

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جب ہمیں عالم کی گمراہی سے ڈرایا گیا، اور ہمیں یہ بھی بتایا گیا کہ ہمارے متعلق سب سے زیادہ خوف اسی بات کا ہے کہ ہم کہیں پھسل نہ جائیں، اور اس کے ساتھ ساتھ ہمیں علماء سے اعراض نہ کرنے کا حکم بھی دیا گیا ہے، تو جس شخص کا سینہ اللہ تعالی نے اسلام کے لیے کھول دیا ہو، اس پر واجب ہے کہ جب اسے کسی امام کا قول ضعیف ملے تو وہ اس قول کو امام کے مقلدین کے سامنے بیان نہ کرے، بلکہ اگر اس کو قول کی صحت کا یقین ہو تو بھی اس کے تذکرہ سے خاموش رہے، ورنہ اس قول کو قبول کرنے میں توقف کرے، کیونکہ ائمہ سے بہت سے ایسے اقوال پیش کیے گئے ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں، اور بہت سے مسائل کا ان کے اتباع نے ان قواعد پر استنباط کیا ہے جو پہلے سے قابل اتباع رہا ہے حالانکہ کہ اگر وہ امام دیکھتا کہ اس کا انجام یہ ہو رہا ہے تو اس کا التزام نہ کرتا اور مذہب سے لازم آنے والی چیز مذہب نہیں ہوتی، گرچہ کہ نص کا لازم حق ہوتا ہے کیونکہ شارع پر تناقض پیدا کرنا جائز نہیں، لہٰذا اس کے قول کا لازم حق ہے لیکن اس کے علاوہ سے بعید نہیں کی وہ کوئی بات کہے اور اس کا لازم پوشیدہ رہ جائے جبکہ اسے اس لازم کا علم ہوتا تو وہ بات نہ کہتا، لہٰذا یہ اس کا مذہب ہے کہنا اور کسی بات کو اس پر تھوپنا جائز نہیں۔''①

① اعلام الموقعین، لابن قیم.

منہج سلف سے منحرف تحریروں کو پڑھنے کے خطرات:

ذیل کی سطور میں معاصرین کی تحریروں کے وہ بُرے نتائج مذکور ہیں جنہوں نے اہل السنہ والجماعۃ کے اُصول کو بنیاد نہیں بنایا:

1۔ لوگوں کو طریقہ و منہج سلف صالحین پر چلنے والے ٹھوس علماء کے علاوہ دوسرے علماء سے جوڑنا اور اس کا نتیجہ بہت ہی بُرا ہے، اور یہ نتیجہ لوگوں اور طریقہ سلف کے مطابق حصول علم کے مابین رکاوٹ کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، بایں طور کہ علماء سے بے رغبتی پیدا کی جارہی ہے اور یہ کہا جارہا ہے کہ علماء کتابوں میں ڈوب کر اپنے آپ میں بند رہتے ہیں اور امت کے سیاسی اور واقعی حالات سے ناواقف ہوتے ہیں، اور اس کا حتمی نتیجہ نوجوانوں کا عقیدہ، حفظ السنۃ اور فقہ السنہ سے بے اعتنائی اور غفلت ہے، نیز یہ کہ یہ محض چھلکا ہے۔

2۔ سیاسی پہلو کو شرع پر غالب کرنا، پس آپ دیکھیں گے کہ اس سیاسی پہلو نے ان کی دعوت کا بہت بڑا حصہ ہتھیا لیا ہے، اور یہ ان علمانیوں (دنیا پرستوں) کی مشابہت میں پڑ گئے ہیں جو دنیوی زندگی کا علم رکھتے ہیں، اور آخرت سے غافل ہیں، اور یہ چیز ''دعوۃ الی اللہ'' پر حاوی ہو رہی ہے۔ اور آپ انہیں پائیں گے کہ یہ مسلمانوں پر آنے والی پستی اور تقلید کا الزام مسلمانوں کے دشمنوں پر ڈالیں گے، جب کہ یہ چیز منہج ربانی، اور ہدایت نبوی کے مخالف ہونے کے ساتھ اس میں بڑے مفاسد اور نقصانات ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

1:..... امراض اُمت کی تشخیص اور کیفیت علاج میں کتاب وسنت کی مخالفت، جب کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اُحد اور حنین کے شروع میں پہنچنے والے نقصان میں مسلمانوں کو ہی مورد الزام ٹھہرایا تھا، باوجودیکہ کافروں نے جو کیا سو کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ﴾

(آل عمران:۱۵۲)

''اللہ نے اپنا وعدہ سچا کر دیا اس وقت جب کہ تم کافروں کو اس کے حکم سے قتل کر رہے تھے، یہاں تک کہ جو تم چاہتے تھے اللہ نے تم کو دکھا دیا، اس کے بعد تم نے ہمت ہار دی۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

(وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ)(التوبہ:۲۵)

''اور حنین کے دن جب تمہیں اپنی کثرت پر ناز تھا تو وہ تمہارے کچھ بھی کام نہ آئی، اور زمین باوجود فراخی کے تم پر تنگ ہوگئی۔''

مزید ارشاد فرمایا:

2:..... (اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٦٥﴾)(آل عمران:۱۶۵)

''(بھلا یہ) کیا بات ہے کہ جب تم پر مصیبت واقع ہوتی حالانکہ اس سے دو چند مصیبت تمہارے ہاتھ سے ان پر پڑ چکی ہے، تو تم چلا اُٹھے کہ آفت کہاں سے آپڑی، کہہ دو کہ یہ تمہاری ہی شامت اعمال ہے۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

3:..... یہ طریقہ نفوس المسلمین میں کفار کی تعظیم کا باعث بنتا ہے جس سے معاملہ کمزور تر ہوتا جاتا ہے۔

4:..... اس میں تزکیہ نفس ہے، اس معنی میں کہ جب ہم نے ''نصر من اللہ'' کی تمام شروط کو یعنی قیام بتوحید اللہ، اللہ کے اوامر کی اطاعت، اور اس کے نواہی سے اجتناب کو مکمل کرلیا، اس کے باوجود کفار ہم پر غالب ہیں، اور اس پر یہ چیز مرتب ہوتی ہے کہ ہم عوام الناس کو عقیدہ، سنت کی طرف دعوت دینے سے غافل ہو جاتے ہیں، اور لوگوں کی تربیت اور ان کو ان چیزوں پر اُبھارنے سے رُک جاتے ہیں۔

5:..... کبھی کبھار اس پر بہت خطرناک معاملہ مرتب ہوتا ہے وہ یہ کہ کبھی عوام الناس میں سے بعض کے دلوں میں ایسے خیالات آتے ہیں، جو انہیں اسلام سے کفر کی طرف لے جا سکتے

ہیں۔ اللہ تعالیٰ کفر سے بچائے، اور وہ خیالات یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کا وعدہ پورا نہیں کیا، اور کفار اللہ کے امر پر غالب ہو گئے ہیں۔

﴿وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (یوسف:۲۱)

''اللہ اپنے امر پر غالب ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

6:.....اس طرح کی چیزیں توکل علی اللہ، اور یقین باللہ میں ضعف اور دنیاوی اُمور میں غرق رہنے کے باعث توحید میں خلل کی نشانی ہیں۔

3۔ اسی طرح بعض کی تحریروں کے نتائج میں سے گندے ذرائع ابلاغ اور میڈیا پر اعتماد کرنا بھی ہے، خواہ وہ ذرائع ابلاغ مشرقی ہوں یا مغربی، اور یہ اعتماد ان میڈیا والوں کی حالت کو بھاری بھرکم بنانے اور ان کے اقوال کی تصدیق کی طرف لے جاتا ہے، حالانکہ کتاب وسنت کے علماء کسی صادق مسلمان کی خبر کو اس کے عادل اور ضابط ہونے کے بغیر قبول نہیں کرتے، تو کسی کافر دشمن کی خبر کیسے قبول کی جا سکتی ہے؟ اور یہ چیز علم شرعی پر الٹا اثر انداز ہوتی ہے کہ اس پر اور اہل علم پر اعتماد کم کرتی ہے، اسی طرح اس کا ایک اور الٹا اثر بھی ہے جو اور زیادہ خطرناک اور گھناؤنا ہے، اور وہ ہے مسلمانوں کے دلوں میں کفار کی ہیبت کا گھر کر جانا، اور ان کے دشمنوں کا رعب داخل کرنا، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مغربی عقلیت اور ان کے پروگراموں اور منصوبوں سے مرعوبیت اور دلچسپی پیدا ہوتی ہے اور یہ تمام چیزیں اس امت کے مخلصین کے دلوں میں کمزوری اور بسا اوقات مایوسی جنم دیتی ہیں، اور اس میں کوئی شخص نہیں کہ یہ تمام چیزیں مسلمانوں کے اس حقیقی عقیدہ کو پلٹ دیتی ہیں کہ اللہ کی طاقت کو کوئی مقہور ومغلوب نہیں کر سکتا، اور بے شک اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے، اور یہ کہ اپنی مخلوق میں اللہ کی کچھ سنتیں ہیں جب بھی وہ پائی جائیں گی تو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی مدد فرمائے گا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ)) [1] ''ایک مہینے کی

[1] صحيح بخاري، كتاب التيمم، رقم:۳۲۸۔ صحيح مسلم، كتاب المساجد، رقم:۵۲۱، عن جابر رضي الله عنه.

مسافت سے رعب ودبدبہ کے ذریعہ میری مدد کی گئی ہے۔''

4۔ اس کے نتائج میں سے اوّلیات میں عدم تمیز اور شرعیات میں تساہل برتنا ہے، جب کہ مبنی بر سنت دعوت کی اہم ترین شرط یہ ہے کہ سب سے پہلے اہم چیز کی طرف دعوت دی جائے، اس کے بعد جو اس سے کم اہم ہو، اس طرح کہ سب سے پہلے اصلاح عقیدہ کی دعوت دی جائے، عبادت کو اللہ تعالیٰ کے لیے خاص کرنے کا حکم دے کر، اور شرک سے منع کر کے، پھر اقامت نماز، ادائیگی زکوٰۃ، واجبات کو ادا کرنے اور محرمات کو ترک کرنے کا حکم دیا جائے، جیسا کہ تمام رسولوں کا طریقہ کار تھا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

(وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ) (النحل:۳۶)

''تحقیق ہم نے ہر اُمت میں رسول مبعوث کیے (اور انہوں نے حکم دیا) تم اللہ کی عبادت کرو، اور طاغوت سے بچو۔''

نیز فرمایا:

(وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ۝۲۵)(الانبیاء:۲۵)

''ہم نے آپ سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے، ان کی طرف یہی وحی کی کہ میرے علاوہ کوئی معبودِ برحق نہیں۔ پس تم میری ہی عبادت کرو۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((ادْعُهُمْ إِلَى شَهَادَةِ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَنِّي رَسُولُ اللَّهِ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذَلِكَ، فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللَّهَ قَدِ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ))[1]

''تمہاری سب سے پہلے دعوت جو تم ان کفار کو دو، وہ شہادت ''أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ

[1] صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، رقم:۱۳۹۵، عن ابن عباس رضی اللہ عنہ۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، رقم:۱۹، عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ۔

مُحَمَّد رَسُول اللّٰه'' ہو پس اگر وہ تمہاری اطاعت کریں تو انہیں بتاؤ کہ اللہ عزوجل نے ان پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔''

کوئی عاقل مسلمان اس بات میں شک نہیں کرسکتا کہ دعوت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ومنہج اوران کی سیرت بہترین آئیڈیل اور مکمل منہج ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تیرہ سالوں تک لوگوں کوتوحید کی دعوت دیتے، اورشرک سے منع کرتے رہے، قبل اس کے کہ ان کونماز، زکوٰۃ، روزہ اورحج کا حکم دیں، اورقبل اس کے کہ انہیں سود، زنا، چوری اور ناحق قتل سے منع فرمائیں، لہٰذا یہی دین کی اصل غرض وغایت ہے۔

5۔ ان کی بعض تحریروں کا ایک نتیجہ غلو ہے، اوراس طرح کی فکر جس کی بنیاد ایسی دعوت پر ہو جس میں کا غذات کو گڈمڈ کردیا گیا ہواور اولیات خلط ملط ہوچکے ہوں، کا لازمی اورحتمی نتیجہ یہی ہے۔ چنانچہ آپ شریعت الٰہی سے فیصلہ نہ کرنے والی اسلامی سوسائٹیوں میں حالاتِ زندگی پر مسلط علانیہ لعنت اورعذاب کا مشاہدہ کرسکتے ہیں، اوراس عذاب کے لئے حق ہے کہ وہ گناہوں سے جن میں سب سے پہلا گناہ شرک ہے' برأت کا ذریعہ بن جائے لیکن عذاب کا حد درجہ بڑھ جانا ان معاشروں میں تکفیر کے جراثیم پیدا کرتا ہے یاتو عام طور پر حکمرانوں کی، یاپھر نتیجہ اورانجام کے طور پر محکومین اور رعایا کی، اوریہ غلو عجلت اور جلد بازی کا نتیجہ ہے جو اس دور کے دعاۃ کی ایک بہت بڑی بیماری ہے اوراہل علم کہتے رہے ہیں جو شخص وقت آنے سے پہلے کسی چیز کی جلدی کرتا ہے وہ اس سے محروم کردیا جاتا ہے۔

6۔ ڈیموکریسی اور اس کے فضول قوانین کے ساتھ رضامندی، اور یہ سب سے خطرناک چیز ہے جس میں وہ دعاۃ واقع ہوئے ہیں جنہوں نے اپنی دعوت کی بنیاد کتاب وسنت پر نہیں رکھی، یہ آپس میں ایک دوسرے سے برملا کہتے ہیں اے دعاۃ! اگرتم ڈیموکریسی اور پارلیمنٹری نظام میں شریک نہیں ہوگے تو تمہارے علاوہ دوسرے کمیونسٹ، دنیا پرست اوربعض لوگ ضرور بہ ضرور شریک ہوں گے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ منحرف اورگمراہ لوگ شریک ہوتے رہیں کیونکہ یہ چیز شریعت اور واقع کے اعتبار سے اسلام کے نمائندہ دعاۃ کی شرکت سے کہیں زیادہ ہلکی اورآسان ہے، اور

اس کی دو وجہیں ہیں:

1:.....یقیناً اس میں ڈیموکریسی اور ان کے مبلغین، ان کے طریقۂ کار اور ان کے منہج سے رضامندی ہے، کیونکہ اس میں اہل باطل کے ساتھ مشارکت ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس سے منع کیا ہے:

(وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۭ)(النساء:١٤٠)

''اور اللہ تمہارے لیے قرآن کریم میں اُتار چکا ہے کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیتوں کا انکار کیا جا رہا ہے، اور ان کا مذاق اُڑایا جا رہا ہے تو ان کے ساتھ نہ بیٹھو یہاں تک کہ وہ کفار اس کے علاوہ کوئی اور بات کرنے لگیں، ورنہ تم انہی جیسے ہو جاؤ گے۔''

اور اس کا یہ نتیجہ ہے کہ عام مسلمان ان منحرف لوگوں کی بابت نیک چہ چہ حاصل کرتے ہیں جنھوں نے مسلمانوں کو پارلیمنٹ میں داخل ہونے یا حکومت میں شرکت کرنے کی اجازت دی ہے، چنانچہ کہتے ہیں کہ جب تم ان کے ساتھ شریک اور حصہ دار ہو تو ان پر تنقید کیوں کرتے ہو نیز یہ چیز قول و فعل میں تضاد پیدا کرنے کا سبب ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

(يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ②)(الصف:٢)

''اے ایمان والو! تم وہ باتیں کیوں کہتے ہو جو تم خود نہیں کرتے۔''

مزید فرمایا:

(اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ㊹)(البقرة:٤٤)

''کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو، اور اپنے نفسوں کو بھول جاتے ہو، حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو، کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟''

پس ہم ہر سیاست میں عام لوگوں سے کیسے کہہ سکیں گے کہ اللہ کی نازل کردہ کتاب کے

بغیر فیصلہ کرنا باطل ہے، جبکہ عوام ہمیں دیکھ رہی ہے کہ ہم جس سے بچنے کی دعوت دیتے ہیں اسی میں شریک ہو رہے ہیں ایسی صورت میں نتیجہ کیا ہوگا؟

2:..... دین کے معاملے کو عقیدہ و شریعت ہر اعتبار سے اجمالی و تفصیلی طور پر دوسروں کے حوالے کردینا اوران کے تابع بنادینا اور مبلغین شریعت کا اپنا خصوصی امتیاز زائل ہوجانا جبکہ کبھی وہ میدان میں امتیازی شان رکھتے تھے اپنے اردگرد کی سیاسی جاہلیت سے انھیں کوئی سروکار نہ تھا اور لوگ ان کی بابت جانتے تھے کہ وہ ایسے معاملے کے حامل ہیں جو دنیا اور دنیا کی زینت کے پیچھے بھاگنے والے دیگر تمام تر سیاسی گروہ بندیوں سے اعلیٰ و اشرف ہے اور یہ چیز ہم سے سیاست کے شرعی اور واقعی مفہوم کے بارے میں گفتگو کرنے کا تقاضا کرتی ہے چنانچہ ہم کہتے ہیں:

صحیح بخاری و مسلم میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ تَسُوسُهُمُ الأَنْبِيَاءُ، كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ، وَإِنَّهُ لاَ نَبِيَّ بَعْدِي، وَسَيَكُونُ خُلَفَاءُ فَيَكْثُرُونَ« قَالُوا: فَمَا تَأْمُرُنَا؟ قَالَ: فُوا بِبَيْعَةِ الأَوَّلِ فَالأَوَّلِ، أَعْطُوهُمْ حَقَّهُمْ، فَإِنَّ اللَّهَ سَائِلُهُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاهُم))[1]

"بنی اسرائیل کی سیاست ان کے انبیاء کے ہاتھوں میں تھی۔ جب کبھی کوئی نبی فوت ہوجاتا اس کے بعد بھی نبی ہوتا تھا، اور میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، اور عنقریب میرے بعد بہت سے خلیفہ ہوں گے، انہوں نے کہا: آپ ہمیں کیا حکم کرتے ہیں؟ فرمایا: سب سے پہلے کی بیعت پوری کرو پھر انھیں ان کا حق دو، بے شک اللہ تعالیٰ ان سے سوال کرنے والا ہے جس کا اس نے انہیں نگہبان بنایا ہے۔"

لہٰذا سیاست اپنی علمی شرعی تعریف کے مطابق امت کے معاملات کی دیکھ ریکھ کا نام ہے اور اسلام کتاب وسنت کے نصوص کے ذریعہ اس مقصد کی تحقیق کے لئے آیا ہے۔ اور واقع حال پر اس سیاست کی تطبیق تعامل کی کیفیت کے خلاصے کے ساتھ دو حالتوں میں ہوگی:

پہلی حالت: ظاہری پیش آمدہ واقعات جس میں واضح اور ثابت دلائل و براہین کے ذریعہ اللہ کا حکم

[1] صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، رقم:۳۴۵۵۔ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، رقم:۱۸۴۲۔

بیان کیا گیا ہو چنانچہ حسب استطاعت ان پر احکام کی تطبیق دی جائیگی۔
دوسری حالت: کچھ ظنی متوقع حوادث جو احتمالات، تجربوں، گمان اور بسا اوقات خیالات پر قائم ہوں، تو ایسے احتمالی حوادث کے ساتھ ڈرتے ہوئے تعامل کیا جائے گا، کیونکہ وہ کسی اساس و بنیاد پر قائم نہیں ہیں۔ اور زیادہ تر موجودہ سیاسی مسائل اور اس کی شکلیں انہی ظنی حوادث کے تابع اور ان پر مبنی ہیں۔ تاہم یہ ساری چیزیں احتیاط، پیش بندی اور بیداری سے مانع نہیں ہے۔ تو اسلام میں سیاست اس کے اپنے مفہوم کے اعتبار سے ہے، وسائل ابلاغ اور میڈیا کے مفہوم کے مطابق نہیں۔

7:..... بعض معاصرین اور ان کے نقش قدم پر چلنے والوں کی تحریروں کا ایک نتیجہ ثقافت یافتہ مقررین اور علماء کے درمیان خلط ملط کرنا ہے یہ نہایت بڑا خلط ہے جو اس انجام تک پہنچاتا ہے کہ اللہ کی عبادت اور اس کے احکام و اوامر ایسے لوگوں سے لئے جائیں جو اس کے اہل نہیں ہیں کیونکہ بہت سے اسلامی ممالک میں خطیب کسی نشریہ کو سن کر یا کوئی میگزین پڑھ کر یا کسی اخبار کا مطالعہ کر کے یا ٹیلی ویژن کا مشاہدہ کر کے ممبر پر کھڑا ہوتا ہے اور خوب گرجتا برستا اور اچھلتا کودتا ہے اور اپنی پڑھی ہوئی یا سنی ہوئی خبروں کا خلاصہ اور نچوڑ پیش کر دیتا ہے، اور یہی چیز نوجوانوں کے جذبات سے میل کھاتی ہے یعنی جوچستی اور غیرت وحمیت کے مارے شعلہ ہونے والوں کے جذبات سے کھیلے۔ لیکن جذبات کو اس طرح نہیں نچوڑا جاتا اسی طرح حماس کو نہیں بھرا جاتا نہ ہی اس طرح غیرت ہوا کرتی ہے۔

اور اس خلط ملط کا نتیجہ یہ ہے کہ ان نوجوانوں کے ذہن میں یہ خطیب ایسا عالم بن جاتا ہے جس کی چرب زبانی، خوش بیانی اور حسن تجزیہ میں اس کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ حالانکہ وہ محض ایک چرب زبان لفاظی کرنے والے خطیب کے سوا کچھ نہیں۔ رہا وہ عالم وارث انبیاء جس نے اپنے عمر عزیز کے برسوں کو کتاب وسنت کی تعلیم میں قربان کیا ہے، ان کے احکام کو ازبر کیا ہے، معانی کو سمجھا ہے اسے اس الزام کی بنا پر نوجوانوں سے الگ تھلگ رکھا جاتا ہے کہ وہ واقع سے دور ہے جبکہ یہ بات صریح باطل اور یکسر غلط ہے۔

هٰذا مَا عِنْدِي وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.